جرائم کا سدِّ باب اور اسلام

از: توفیق احسن برکاتی

ناشر: ادارۂ معارفِ اسلامی ممبئی

توفیق احسنؔ برکاتی

ناشر

ادارہ معارف اسلامی، ممبئی

نام کتاب	:	جرائم کا سد باب اور اسلام
تالیف	:	توفیق احسؔن برکاتی (ممبئی)
تقدیم	:	علامہ محمد فروغ القادری (لندن)
بہ نوازش	:	مولانا محمد شاکر نوری (امیر سنی دعوت اسلامی)
صفحات	:	اسّی (۸۰)
اشاعت	:	بہ موقع سالانہ سنی اجتماع، دسمبر ۲۰۱۳ء
ناشر	:	ادارہ معارف اسلامی، ممبئی
قیمت	:	

ملنے کے پتے:

IDARA MAARIFE ISLAMI
Add:Fine Mention 1st floor, 132 kambekar street, Mumbai - 400 003

MAKTABA-E-TAIBA
126 kambekar street, Mumbai - 400 003
022-23451292/23434366

مرشدِ گرامی امینِ مسلکِ رضا ڈاکٹر سید محمد امین میاں برکاتی مارہروی

اور

استاذِ گرامی محققِ مسلکِ رضا مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

کے نام

آئینۂ کتاب

اپنی بات

آج سے قریب چار سال پہلے جب میں عربی یونیورسٹی اشرفیہ، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ (اتر پردیش) میں شعبۂ تحقیق فی الفقہ کے سال دوم کا طالب علم تھا، ایک عنوان ذہن میں آیا تھا ''جرائم کے سد باب کا اسلامی تصور''۔ اُس کا پس منظر اس وقت مجھے یاد نہیں، لیکن یہ عنوان بار بار ذہن وفکر کی اسکرین پر دوڑتا اور اپنی طرف التفات نظر چاہتا، خیر یہ عنوان مجھے موزوں لگا، کاغذ پر لکھ لیا اور ایک شام بعد نماز عصر ملت نگر مبارک پور میں واقع المجمع الاسلامی گیا اور بزرگ قلم کار حضرت علامہ محمد عبدالمبین نعمانی قادری دام ظلہ النورانی سے ملاقات کی اور اپنا مدعا بیان کیا کہ میں اس عنوان پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں، آپ اس کے عناصر تحریر فرمادیں، جن کی روشنی میں یہ مقالہ ترتیب دے سکوں، حضرت نے حوصلہ افزائی کی اور میرے ہاتھ سے کاغذ لے کر ترتیب وار آٹھ عناصر زیب قرطاس کر دیے اور اس کے لیے چند مفید کتابوں کی نشان دہی فرمائی کہ ان کا مطالعہ ضرور کرلو، کافی مواد مل جائے گا۔

واپس آنے کے بعد ۳۰/جنوری ۲۰۰۶ء/۲۹/ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ بروز دوشنبہ مبارکہ سے میں نے کام کا آغاز کر دیا، سب سے پہلے قرآن کی آیات کا انتخاب کیا، پھر کتب تفاسیر معتمدہ سے ان آیات کا واضح مطلب اور تفسیر حوالوں کے ساتھ لکھ لیا، جنایات، حدود، قصاص، تعزیرات، اصلاحِ اعمال اور احترامِ نفس پر مبنی احادیثِ مبارکہ صحاح ستہ اور دیگر کتبِ حدیث سے نکال لیں اور ان کے ترجمے بھی لکھ لیے، تاکہ بعد میں کوئی دقت نہ ہو، حضرت نعمانی صاحب قبلہ کی نشان زد کردہ کتابیں دیکھیں، کتب فقہ وفتاویٰ سے متعلقہ ابواب کا مطالعہ کیا اور کام کی بات نوٹ کرتا گیا، اب اچھا خاصا مواد جمع ہوگیا، اس دوران تعلیم بھی ہوتی رہی، یونیورسٹی کی طرف سے تحقیقی

مقالہ کے لیے جو موضوع دیا گیا تھا اس پر بھی کام ہوتا رہا، درس اور مشق افتا کا کام بھی لازمی تھا، خیر دو سالہ کورس مکمل ہوا، دستار بندی ہوئی اور سالانہ امتحان بھی ختم ہوا۔

مگر ''جرائم کے سد باب'' کے عنوان پر شروع کیا گیا کام ترتیب وتذہیب کا انتظار کرتا رہا، اسی سال شعبان میں ممبئی آ گیا، پورا رمضان گزرا، استاذِ گرامی محقق مسائلِ جدیدہ مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی دام ظلہ کی ایما پر حافظ وقاری مولانا محمد شاکر نوری رضوی قبلہ نے عید کے بعد اپنے مرکزی ادارے میں تدریس کی ذمہ داری سونپی اور میں تعلیم وتدریس میں ہمہ دم مصروف ہو گیا، پورے تین سال گزر گئے مگر مذکورہ کام تعویق میں پڑا رہا، یہاں تک کہ دو ہزار دس کا ماہ جنوری شروع ہو گیا، اب میں نے بالکل پختہ ارادہ بنالیا کہ اس کام کو کرنا ہی ہے، پوری تندہی کے ساتھ اس میں لگ گیا، اللہ عزوجل کے فضل وکرم اور اساتذہ کی دعاؤں سے پورے سترہ دن میں تشنہ ہی سہی، ترتیب کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا، میں نے سکون کی سانس لی اور اللہ کا شکرادا کیا۔

مواد کی فراہمی اور ترتیبِ مقالہ میں تقریباً چار برس کا وقفہ گزرا، ان چار سالوں کے دوران میں نے کئی موضوعات پر کام کر ڈالا کہ پانچ کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو گئیں اور دو اب بھی منتظر طبع ہیں، اور وہ کام جو دو ہزار چھ میں شروع ہوا تھا اس کی تکمیل دو ہزار دس میں ہوئی، **فالحمد لله علیٰ ذلک**۔

ان چار برسوں میں نئے نئے تجربات ہوئے، چند تلخ تجربات بھی ہوئے، حوصلہ افزائی بھی ہوئی اور حوصلہ شکنی بھی، تعریفی خطوط بھی آئے اور طنز کا نشتر بھی سہنا پڑا، مگر میں نے اپنے اساتذہ سے حضور حافظ ملت قدس سرہ کا ایک زریں قول بارہا سنا کہ ''ہر مخالفت کا جواب کام'' اور ''زمیں کے اوپر کام، زمیں کے نیچے آرام'' میں نے ان خطوط کو ہمیشہ ذہن میں رکھا اور کام جاری رکھا، اساتذہ نے دعاؤں سے نوازا، حوصلہ بڑھایا، یہ کیا کچھ کم ہے؟ ''جرائم کا سد باب اور اسلام'' کے موضوع پر یہ مقالہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے اور دعاؤں اور اصلاحات کی گزارش۔

محمد توفیق احسنؔ برکاتی مصباحی، نئی ممبئی (۲۳؍جنوری، ۲۰۱۰ء)

تقدیم

حضرت علامہ محمد فروغ القادری (ورلڈ اسلامک مشن، لندن)

کون و مکاں کے تاج دار حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو نظامِ حیات، آئینِ زندگی اور نظمِ کرم لے کر جلوہ گر ہوئے تھے، وہ کائناتِ آفاق و انفس پر ازل سے لے کر ابد تک ہر حیثیت سے حاوی ہے، گلشنِ ہستی کا ہر ذرہ ان کی رحمتوں سے مستفیض ہے۔ ان کی ذات گرامی ایک ماہر قانون داں کی بھی تھی، حقوقِ انسانی (Human Charter) کے تمام بنیادی قوانین ان کے عہد رسالت میں بنائے اور نافذ کیے گئے۔ آپ نے صحرا کے مکینوں میں فکری، عملی اور تہذیبی انقلاب برپا کیا اور فکر و نظر کے پیمانے بدلے، معاشرے میں اعتدال و توازن، باہمی قوتِ برداشت، رواداری و بردباری کا حوصلہ عطا کیا، جرائم کے سد باب کے لیے تعزیری قوانین مرتب فرمائے، جہاں ایک ہی صف میں آقا و غلام، محمود و ایاز دونوں کھڑے تھے۔ طبقاتی، لسانی اور نسلی تفاخر کی جگہ مساوات کا درس دیا، اور تقویٰ و طہارت کو تکریم انسانی کی اساس قرار دیا۔ آپ نے بچوں، عورتوں اور مردوں سمیت تمام مخلوقات کے حقوق و ضوابط دنیا کے سامنے رکھے اور ایک اصلاح پسند داعی اور عدل نواز حکم راں کا کردار حد درجہ خوش اسلوبی سے نبھایا۔

بلا شبہ رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ بھی یہی ہے کہ آپ نے اپنے بے مثال اور انقلاب انگیز کردار و عمل کے نفاذ کے لیے کسی معجزے کا سہارا نہیں لیا، بلکہ

اپنی دعوتی جدوجہد کے ذریعے سے عام انسانوں کو قرآنی ہدایات کے مطابق اپنی بہترین خوبیاں بروے کار لانے کا حوصلہ بخشتے رہے۔ معاشرتی اور قومی جرائم کے خاتمے کے لیے انتقامی کاروائی کے بجائے عفوو درگذر، صلح ومصالحت اور رحمتوں کا راستہ اختیار کیا۔ حتیٰ کہ اپنے ساتھ ظلم وزیادتی کرنے والوں کی عدم موجودگی کو بھی اپنی پاکیزہ محافل میں شدت سے محسوس کیا، اور ان کی خیریت دریافت کر کے ان کے دل ودماغ کو جیت لیا۔

دراصل اسلام ایک بامقصد، متحرک اور اقدام پذیر نظامِ حیات ہے، جو اعلیٰ ترین زندگی اور تہذیبی وتمدنی اقدار کے حصول کے لیے ہر لمحہ کوشاں ہے، وہ دنیا کو اجتماعی نصب العین کی طرف بلاتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے دنیا سے ظلم، فساد، شر اور استحصال کا خاتمہ ہو، ہر فرد کو فکری اور شعوری طور پر آزادی حاصل ہو، اور وہ معاشرے میں عزت وآبرو کی زندگی بسر کر سکے، ایک فرد دوسرے فرد کا، ایک طبقہ دوسرے طبقے کا احترام کرنا سیکھے۔ دراصل اسلام احترام انسانیت کا مذہب ہے، وہ نبی برحق کے لائے ہوئے نظامِ حیات اور کتابِ الٰہی کے احکام وقوانین اور اس کے زریں اصولوں پر عدل وانصاف پر مبنی معاشرے کی تعمیر وتشکیل کرنا چاہتا ہے۔ قتل وغارت گری، شر وفساد، انصاف کی عدم فراہمی، مظلوموں کی فریادرسی سے بے اعتنائی، راستی وراست بازی سے نفرت اور طبقات اشرافیہ کی غلط کاریوں پر معنی خیز خاموشی کو اسلام ناقابل جرم تصور کرتا ہے۔ یہ اس کے تئیں گمراہی وضلالت، تہذیب وتمدن سے بیگانگی اور معاشرتی استحکام کے خلاف بات ہے۔ امن واخوت کی جہانگیری، اتحاد ویگانگت کی فراوانی ایک اسلامی فلاحی معاشرے کی بنیاد ہے۔ تقویٰ وپرہیزگاری، اعتدال ومساوات انسانی تمدن کے خصائص ہیں۔ جس پر اسلام اپنے عہد حکم رانی کے آغاز سے ہی باضابطہ زور دیتا ہے۔ اسلام نے قانون کے نفاذ سے پہلے دلوں کی پاکیزگی کا سامان فراہم کیا۔ آج دنیا بھر میں جرائم کا اضافہ صرف اس لیے ہوا ہے کہ لوگوں کی اکثریت اخلاقی قدروں اور اپنے بنیادی حقوق کی بازیابی سے محروم ہے۔ جس معاشرے میں ناانصافی اور محرومیت ہوگی وہاں جرائم، دہشت گردی اور فتنہ وفساد کا ہونا لازمی ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ یہی کہتا ہے کہ تسلسل کے ساتھ کیے جانے والے غیر مصلحت انگیز فیصلوں کی وجہ سے آج پوری دنیا کئی بحرانوں کا شکار ہے، ایک طرف شدت پسندی اور دوسری طرف لوگوں کی دینی وسیاسی تربیت

نہ ہونے کی وجہ سے عدم برداشت کا عام رجحان پایا جاتا ہے، پائیدار، موثر اور قابل اعتماد سیاسی عمل کے فقدان کی وجہ سے معاشرے میں انصاف اور مساوات دور دور تک نظر نہیں آتا، اس کے نتیجے میں مذہبی جنونیت، کلاشن کوف، منشیات اور لسانی دہشت گردی کا کلچر عام ہو رہا ہے، آج ایشیا و یورپ، امریکہ وافریقہ کے انہیں ممالک میں تشدد کے عام عناصر پائے جاتے ہیں، جہاں کے لوگ افرادی یا اجتماعی سطح پر ناانصافیوں اور طبقاتی کشمکش کے شکار ہیں۔ اسلام نے طبقاتی امتیازات واختلافات (RACIAL DISCRIMINATION) کے خاتمے کے لیے انصاف کی فراہمی کو بہ ہر صورت مقدم قرار دیا ہے، سے بعد میں دنیا کے کئی ایک اہم ارباب اقتدار نے اپنے ملکی وسیاسی ارتقا کے منشور میں نمایاں طور پر شامل کیا ہے، اور یہ دراصل نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے نظام رحمت کی برکات ہیں۔

برطانوی وزیر اعظم سرونسٹن چرچل (SIR WINSTION CHRCHIL) نے کہا تھا کہ: ''اگر انگلستان کی عدالتوں میں انصاف ہوتا رہا تو برطانیہ عالمی جنگ عظیم میں شکست کا سامنا ہرگز نہیں کرے گا''

یہی وہ وجہ ہے جس نے عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کو پذیرائی بخشی، اور طارق بن زیاد کو اندلس کے ساحل پر اپنی کشتی جلانے کا حوصلہ دیا۔

اسلام امن وسلامتی کا دین ہے، یہ روئے زمین پر صلاح وفلاح چاہتا ہے، اپنے ماننے والوں کو سکون واطمینان سے رہنے کا درس دیتا ہے، اقوامِ عالم کو آرام وچین اور پُر امن زندگی گذارنے کا سلیقہ بتاتا ہے، فتنہ وفساد اور جنگ وجدال کی مخالفت کرتا ہے، اسلام چاہتا ہے کہ دنیا میں رہنے والے انسان اخوت ومحبت کے حقیقی جذبات سے سرشار ہوکر زندگی کی ایک نئی صبح کا آغاز کریں۔ اسلامی تعلیم ہر فرد سے امن وسلامتی، سکون واطمینان اور ایک مہذب وپر وقار معاشرے کی تشکیل کا مطالبہ کرتی ہے۔ ہمارا دین اس بات کا متقاضی ہے کہ اگر کوئی معاشرے کے امن وامان اور سلامتی کو نقصان پہنچائے، افراد کے حقوق پامال کرے، پرامن شہریوں کا قاتل بن جائے تو اسلام ایسے مجرموں کے خلاف نہ صرف اعلانِ جنگ کرتا ہے بلکہ اس وقت تک لڑنے کا حکم دیتا ہے جب تک کہ امن بحال نہ ہو جائے۔

اسلام نے اجتماعی وانفرادی جرائم کے سد باب کے لیے باضابطہ قوانین وضع کیے ہیں، اور عدالتی فیصلے اسی کے مطابق صادر کیے جائیں گے۔ قرآن عظیم میں افراد انسانی کے ایسے اقدامات کی مذمت کی گئی ہے، جن سے امن کو خطرہ لاحق ہو اور زمین میں فساد پھیلے۔ اسلام کسی ایک شخص کی جان بچانے کو پوری انسانیت کی جان بچانے اور کسی ایک شخص کی ہلاکت کو پوری انسانیت کی ہلاکت سے تشبیہ دے کر ایک طرف احترامِ انسانیت، تحفظِ انسانیت اور بقائے حیاتِ انسانی کے ضمن میں اپنی لازوال تعلیمات کا خلاصہ پیش کر رہا ہے اور دوسری طرف افرادِ انسانی کو باہمی تعامل میں کسی بھی طرح انسانیت کش سوچ اور سفاکانہ رویے کو انتہائی واضح اور غیر مبہم الفاظ میں مسترد کرتا ہے۔ آج دنیا کے مہذب قوانین میں حرمتِ نفس کو جو درجۂ کمال اور شعوری ارتقاع حاصل ہوا ہے وہ اسی انقلاب کے براہ راست نتائج ہیں، جو رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اخلاق حسنہ کے ذریعہ سے ریگزار عرب کے مکینوں میں برپا کیا تھا۔

بعض مغربی مفکرین کے یہاں یہ عام تاثر پایا جاتا ہے کہ موجودہ زمانے میں سماجی اور سیاسی نظام (SOCIO-POLITICA SYSTEM) کے اعتبار سے جو ترقیاں پائی جاتی ہیں ،ان سب کی بنیاد جمہوریت (DEMOCRACY) اور FREEDOM OF THOUGHTS کو سمجھا جاتا ہے کہ یہ دراصل انقلابِ فرانس (۱۷۸۹ء) تھا، جس کے بعد دنیا میں جمہوریت کا دور آیا، مگر یہ بات واقعتاً صحیح نہیں ہے۔ انقلابِ فرانس (FRENCH REVOLUTION) ایک تاریخی عمل کا نقطۂ انتہا تھا۔ یہ تاریخی عمل انقلابِ فرانس سے بہت پہلے جزیرہ نمائے عرب میں اسلامی انقلاب (ISLAMIC REVOLUTION) کی شکل میں رونما ہو چکا تھا۔

قرآن عظیم میں اس تعلق سے یہ اصولی حکم ان الفاظ میں دیا گیا تھا:

”وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ“ (۴۲_۳۸) یعنی ”وہ اپنا کام باہمی مشورے سے کرتے ہیں“۔

(THEIR AFFAIRS ARE DECIDED BY MUTUAL CONSULTATION)

وہ چیز جسے موجودہ زمانے میں نظام جمہوریت کہا جاتا ہے، اسی کو قرآن میں نظامِ شوریٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ شوریٰ (CONSULTATION) کا یہ تصور اسلام کے اجتماعی نظام کی

بنیاد ہے۔

عہد رسالت کے ابتدائی مرحلے میں دوعظیم شہنشاہیت ،ساسانی ایمپائر (SASSANID EMPIRE)اور دوسرے بازنطینی ایمپائر (BYZANTINE EMPIRE) ملک عرب کے وسیع وعریض خطے پر جبری نظام پر مبنی حکومت کے نمائندے بنے ہوئے تھے۔پیغمبر انقلاب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان حکم رانوں کو اپنے سفرا کے ذریعے خطوط ارسال فرمائے،اس کا مقصد یہ تھا کہ حکم راں پُر امن طور پر اپنے جابرانہ طرز حکومت کو ختم کرنے کے لیے تیار ہو جائیں مگر ایسا نہ ہو سکا،ساسانی حکم راں اس قدر گستاخ تھا کہ اس نے آپ کے مکتوب گرامی کو حقیر سمجھتے ہوئے پھاڑ کر پھینک دیا۔اصحاب رسول کو یہ بات حد درجہ ناگوار گزری اور انہوں نے برسوں کی مطلق شہنشاہیت (MONARCHICAL ABSOLUTISM) کے تخت وتاج کو اپنے قدموں تلے روند ڈالا۔یہ دونوں ایمپائر انسانوں کی آزادانہ ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔کون ومکاں کے تاج دار کے قدمِ ناز پر اپنی نقد جان پیش کرنے والے وفا کیش اصحابِ رسول نے اپنی غیر معمولی قربانی اور جذبۂ ایثار کے ذریعے ایک ایسے فرسودہ نظام کا خاتمہ کیا،جس کی بنیاد ظلم وجبر اور انسانی لاشوں پر رکھی گئی تھی ۔اس واقعے کے نتیجے میں انسانیت کو ایک نئی صبح حیات میسر آئی اور ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔اخلاقی،تہذیبی وتمدنی جرائم کے سد باب کی راہوں میں یہ پہلی نا قابل تسخیر پیش قدمی تھی جس نے زمین کے معروضی نقشے کو بدل دیا ،جسے تاریخ کے روایتی نظام کا خاتمہ کہا جائے گا۔

مشہور فرانسیسی مورخ ہنری پرین (HENRI PIRENNE) نے کھلے طور پر اس تاریخی حقیقت کا اعتراف اس طرح کیا ہے:

ISLAM CHANGED THE FACE OF THE GLOBE .THE TRADITIONAL ORDER OF HISTORY WAS OVERTHROWN.(HISTORY OF West.EUROPE)

قرآن عظیم نے محسنِ انسانیت،معلم کائنات علیہ التحیۃ والثناء کے ہر قول وفعل کو ’’اسوۂ حسنہ‘‘ اور قانون کی حیثیت دی ہے اور ہر ’’راسخ فی العلم‘‘ اور باصلاحیت شخص کو تفکر،تدبر،تعقل،

تفقہ، تذکر اور استنباط کی دعوت دی ہے، اس حکم کے باعث ''اسلامی فقہا'' کا کام بے حد آسان ہو گیا ہے۔ اگر قرآن عظیم میں تفصیلاً یا اجمالاً کسی بات کا ذکر نہ ہو تو احادیث نبویہ میں اس کی تفصیل تلاش کی جائے۔ دوسری جانب حضور نبی اکرم، شارعِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ قیاس اور استنباط سے کام لیا، بلکہ اس کی باضابطہ صراحت کے ساتھ اجازت بھی عطا فرمائی، جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل ''گورنر یمن'' کے تقرر نامے میں مذکور ہے۔ اگرچہ قرآن وحدیث کی تصریحات کی تنسیخ قیاس کے ذریعے سے نہیں ہو سکتی، تاہم قیاس وتعبیر علما وفقہا کو اپنی انفرادی رائے کے نفاذ میں وسیع ترین گنجائش فراہم کرتی ہے۔ اور خود اجماع کے تعلق بھی فقہا نے اس طرح کی سہولیات سے استفادہ کیا ہے۔ جب تک ان اجازتوں سے مقتضائے حال کے مطابق فائدہ اٹھایا جاتا رہا، اسلامی قانون میں عصر جدید کا ساتھ دینے کی گنجائش رہی، وہ ارتقا پذیر رہا اور جب سے قدیم فقہا کے فیصلوں کے تناظر میں عصری ضروریات کے لیے اجتہاد کا بند کر دیا گیا، تو اس سے عالمی پیمانے پر ''قانون اسلامی'' کو بے حد نقصان پہنچا ہے۔

اسلامی معاشرے کی تشکیل، فرد کی تعمیر شخصیت اور حیات اجتماعی کے تمام شعبوں کی صورت گری کے لیے بنیادی اقدار اور اولین معیار فقہ اسلامی مہیا کرتی ہے۔ جو قرآن وسنت کا عرقِ لطیف، تعاملِ امت کی روح اور ائمہ اجتہاد کی فکری کاوشوں کا حاصل ہے۔ فقہ اپنی جامعیت، تنوع اور دائرہ عمل کے لحاظ سے حیات انسانی کی بیکراں وسعتوں سے ہمکنار اور اپنے اصول وفروع کی لامتناہی کثرت کے ساتھ کبھی نہ خشک ہونے والا چشمۂ علم وحکمت ہے، جس کی نظیر اقوام عالم میں نہیں ملتی۔ اصول فقہ اپنے علمی، فکری اور تہذیبی تناظر میں حیات انسانی کے تمام گوشوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ لغت اور زبان وبیان کے اسالیب سے لے کر منطق وفلسفہ کی گہرائیوں تک اس کا اثر ونفوذ موجود ہے۔ پوری دنیا کی تاریخ فکر وفن میں حیات انسانی کی ارتقائی عظمتوں کے تحفظ کے لیے ''اصول قانون'' کی باضابطہ تدوین وتہذیب کا شرف وامتیاز صرف امت مسلمہ کو حاصل ہوا ہے۔

قرآن عظیم میں ملکی وبین الاقوامی سیاست اور پھیلتے ہوئے جرائم کے سد باب کے قواعد وضوابط خاصی تفصیل کے ساتھ ملتے ہیں۔ جن سے جنگی ادوار اور حالت امن ومصالحت

میں مسلمان حکم رانوں کے غیر جانب دارانہ رویوں پر رہ نمائی مقصود ہے ۔کون ومکاں کے تاج دار، محسن انسانیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مملکت کی بنیاد رکھی اور اس موجودہ معاشرے سے انفرادی واجتماعی جرائم کے خاتمے کے لیے مؤثر ترین اقدامات فرمائے ، قبائل کے مابین احساس محرومیت کو ختم کرتے ہوئے ایک مرکزیت اور تنظیم پیدا کی ،عربوں کو ان کی برسوں کی خانہ جنگیوں میں اپنی توانائیاں ضائع کرنے سے روک کر انہیں اپنے زمانے کا عظیم فاتح بنادیا ،ان کے ذہنوں سے احساس کمتری کے اسباب وعناصر کو نکال کر ان میں صحت منداور تعمیری جذبہ بھر دیا۔یہی وہ احساس برتری یا احساس خود شناسی تھا جسے لے کر یہ صحرانشیں عرب وعجم پر غالب ہوگئے ۔بلاشبہہ یہی وہ ایقان یا فرائض منصبی کی ادائیگی کا احساس تھا جس نے انہیں بحر وبر کی وسعتوں میں حکومت الٰہیہ قائم کرنے کی غرض سے اپنی ہر متاعِ حیات کو قربان کرنے پر آمادہ کردیا۔

جرائم کے خاتمے کے لیے ریاستی قوانین کے ساتھ بین المملکی قوانین بھی قرآن عظیم میں بڑے واضح طور پر ہمیں ملتے ہیں مثلاً (۱) انتقامی جنگ (۲) معاہدات کی تعمیل (۳) مدافعت (۴) میدان جنگ میں انسانی ہمدردی (۵) مذہبی رواداری (۶) غیر مسلم رعایا سے برتاؤ (۷) قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک (۸) پناہ گزیں کو امن وامان کی فراہمی (۹) مفتوحہ آراضی کا انتظام (۱۰) نظام حکم رانی میں غیر جانب دارانہ رویوں کی تاکید۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَاُولِي الْاَلْبَابِ (القرآن:۲-۱۷۶) ترجمہ: اے عقل والو! قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے۔جان کے بدلے جان لینے کو قصاص کہتے ہیں، اس میں زندگی کے حصول کی حکمت کو نمایاں کیا گیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ مغربی ممالک کے برخلاف جہاں اسلامی حدود کے نفاذ کا باضابطہ نظام موجود ہے وہاں جرائم کا تناسب بے حد کم ہے۔ مستشرقین یورپ نے اسلامی سزاؤں کے نفاذ کو حقوق انسانی کے خلاف قرار دیا ہے،مگر غالباً انھیں اس بات کا ہرگز علم نہیں کہ جرائم کے سد باب اور مجرمین کی سزاؤں کے تعلق سے اسلام نے جس قدر محتاط رویّہ اختیار کیا ہے دنیا کی ترقی یافتہ اور مہذب قومیں اس سے کوسوں دور ہیں۔اسلام میں فیصلوں کے صادر کرنے سے پہلے جج کا عادل، منصف، متقی اور غیر جانب دار ہونا ضروری ہے۔محض شکوک وشبہات اور قیاس آرائیوں کی بنیاد پر شرعی حدود کا اطلاق ہرگز نہیں ہوگا۔

ایک ضابطہ ہے: ''لا یجوز اثبات الحدود من طریق القیاس و انما طریق اثباتھا التوقیف.'' (ترجمہ) قیاس کے ذریعے حدود کو ثابت کرنا جائز نہیں، بلکہ اس کے اثبات کا ذریعہ توقیفی ہے۔ (یہ قول علماے احناف اور ان کے متبعین کا ہے)

مذکورہ قاعدے کا مفہوم یہ ہے کہ حدود و تعزیرات کے اثبات کے لیے قرآن، حدیث اور اجماع میں سے کسی دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ صرف قیاس کے ذریعے حد شرعی ثابت نہیں ہوسکتی۔

حد کی تعریف: ''الحد عقوبة مقدرة یجب حقاً لله تعالیٰ.''

(شرح وقایہ: جلد دوم، ص:۲۷۶)

حد وہ مقررہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کا حق ہونے کی وجہ سے لازم ہوتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر: ''حد اس مخصوص سزا کا نام ہے جس کی مقدار من جانب اللہ مقرر ہوتی ہے'' اور اپنی رائے سے اس میں کمی وبیشی کا اختیار کسی کو بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اس کے ثبوت کے لیے ایسی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے جو قطعی ہو اور تمام شکوک وشبہات سے پاک ہو۔ اور محققین کے نزدیک ایسی دلیل محکم قرآن، حدیث اور اجماع ہے جب کہ ان کے مقابلے میں قیاس دلیل ظنّی ہے اور وہ نفاذ حد کے ثبوت کے لیے ہرگز کافی نہیں۔ جیسا کہ ''نورالانوار'' میں ہے:

صحّ اثبات الحدود و الکفارات بدلالة النصوص دون القیاس لاجل ان الدلالة قطعیة والقیاس ظنّی یصح اثبات الحدود والکفارات بالاول دون الثانی. (نورالانوار، ص۱۵۳)

حدود وکفارات کو دلالۃ النصوص سے ثابت کرنا صحیح ہے نہ کہ قیاس سے، اس لیے کہ نصوص کی دلالت قطعی ہوتی ہے اور قیاس کی دلالت ظنی ہوتی ہے۔ اس لیے حدود و کفارات کا اثبات اول (دلالۃ النصوص) کے ذریعہ صحیح ہوتا ہے، نہ کہ ثانی (قیاس) کے ذریعہ۔

مذکورہ بالا سطور سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام میں سزاوں کا نفاذ محض شکوک وشبہات کی بنیاد پر ہرگز نہیں ہوسکتا، جب تک کہ ٹھوس اور معیاری شواہد موجود نہ ہوں۔ دنیا بھر کے قانون ساز ادارے اپنی عدالتی کاروائیوں میں جرائم کے سد باب کے تعلق سے اگر اسلامی

اصولیات سے استفادہ کریں تو میں سمجھتا ہوں کہ محسوس دنیا کا ایک بہت بڑا حصّہ طبقاتی و نسلی اختلافات، دہشت گردی قتل و غارت اور منشیات فروشوں کی دسترس (Control) سے محفوظ ہوسکتا ہے۔ بلاشبہ حالیہ دنوں میں دہشت گردی، فرقہ وارانہ فساد اور انتقامی کاروائیوں کے نتیجے میں ہزاروں جانیں ضائع ہوچکی ہیں۔ عالمی جرائم کی ان مختلف صورت حال سے نمٹنے کے لیے قانون کا موثر ہونا بے حد ضروری ہے، ساتھ ہی قانون نافذ کرنے والوں اور عدلیہ کا کسی خارجی اور سیاسی دباؤ سے آزاد اور غیر جانبدار ہونا بھی فیصلوں کی شفافیت میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ لیکن جتنا یہ پہلو اہم ہے اتنا ہی اہم یہ پہلو بھی ہے کہ تمام انسانوں کے بنیادی حقوق (Fundamental Rights) کا تحفظ اور ملکی قانون کے تحت انصاف کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے اور قانون کے غلط استعمال کے ہر دروازے کو بند کردیا جائے۔ معاشرتی و قومی ہم آہنگی، قوت برداشت، تادیب و توازن، تعلیمی و تربیتی شعور وادراک اور قانونی دائرے میں رہتے ہوئے ایک موثر نظام زندگی کی تشکیل و تعمیر کے بغیر کسی ملک میں امن و امان اور عدل و انصاف قائم نہیں ہوسکتا۔

اسلام واحد نظام زندگی ہے جہاں اشتراکیت اور باہمی مساوات کا رویّہ پایا جاتا ہے۔ وہ اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ دنیا کی ہر شے سب کی مشترک ملکیت ہے۔ اسلام میں ذخیرہ اندوزی اور گلوبلائزیشن کا کوئی تصور نہیں ہے۔ یہاں امیروں کی دولت میں غریبوں کا حق نمایاں طور پر موجود ہے۔ ہم اس بات سے قطعی انکار نہیں کرسکتے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام ہی صرف ایک ایسا مذہب ہے جو تمام قومی، نسلی اور لسانی قیود و حدود کو دور کر کے ایک عالمی اخوت اور برادری کا نظریہ پیش کرتا ہے۔ اسلام نے رنگ و نسل اور طبقاتی امتیازات کا یکسر خاتمہ کر دیا ہے۔ ایک عالمگیر انسانی برادری کا خواب جو ہر طرح کے اخلاقی اور تہذیبی جرائم سے پاک ہو، اسلام کے بتائے ہوئے نقشِ حیات پر عمل کر کے ہی شرمندۂ تعبیر ہوسکتا ہے۔ اسلام صرف ایک مذہب ہی نہیں، بلکہ ایک قانونی معاشرتی نظام بھی ہے جو مختلف اقوام اور نسلوں کو ایک عظیم رشتہ ٔوحدت میں منسلک رکھتا ہے۔ یہ ایک مکمل ثقافت، طریق حیات اور آئین جہاں بینی و جہاں بانی ہے، جس کی اساس عمرانی مساوات اور انصاف پر استوار کی گئی ہے۔ معلم کتاب و حکمت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری کائنات انسانی کو ایک ایسا لازوال، آفاقی اخوت و محبت، عالمانہ

رنگ و آہنگ، حریت فکر اور بصارت و بصیرت کے جواہرات سے آراستہ سیاسی قانون عطا فرمایا ہے، جو صدیوں سے اقطار عالم میں بسنے والے لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہا ہے۔ نبی اعظم مقننِ اعظم بھی تھے، وحی الٰہی کی عام دفعات کی تعبیر وتشریح کا جو فریضہ آپ نے انجام دیا، اس کی شرح ونفاذ، غرض وغایت، اسرار وحکمت اور شعبہ ہائے حیات کی تفصیلات کے احاطے سے عقل انسانی معذور ہے۔ علوم نبوی کی انتہائیں ہمارے دائرۂ تسخیر سے باہر ہیں۔

موجودہ دور میں مغربی قانون سازوں نے بہت سی قانونی اصلاحات اسلامی تعلیمات کے زیر اثر اختیار کیے ہیں۔ امریکہ اور یورپ کا فلاحی نظام براہ راست اسلام سے متاثر ہے۔ اقوام متحدہ کے ایوانوں میں رنگ ونسل کے امتیازات کے خلاف جو آوازیں اٹھتی ہیں وہ اسلام ہی کے نظام عدل وتوازن کی صدائے بازگشت ہیں۔ مغرب میں کلیسائی نظام اور مذہبی پیشوائیت کی مذمت، انسانی عقل وخرد کا حقیقی احساس، مطالعہ کائنات کی اہمیت اور بین الاقوامی تنظیموں کا قیام، دراصل یہ سب کچھ اسلام کی تعلیمات ہی کے اثرات ہیں۔

مشہور مستشرق ’’پروفیسر گب‘‘ عالمی تہذیب وتمدن اور اس کی اثر انگیزیوں کے لیے اسلام کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

’’اسلام کو ابھی انسانیت کی ایک اور خدمت انجام دینی ہے۔ لوگوں کے مراتب، مواقع اور عمل کے لحاظ سے مختلف نسلوں کے درمیان مساوات قائم کرنے میں کسی سوسائٹی نے اس جیسی کامیابی حاصل نہیں کی ہے۔ افریقہ، ہندوستان اور انڈونیشیا کے عظیم اور جاپان کے محدود مسلم معاشرے میں یہ بات بالکل عیاں ہوتی ہے کہ کس طرح اسلام مختلف نسلوں، غیر ضروری روایات اور نہ مٹنے والے اختلافات کو تحلیل کر دیتا ہے۔ اگر مشرق ومغرب کی عظیم سوسائٹیوں میں مخالفت کے بجائے باہمی تعاون اور مصالحت کی کوئی صورت پیدا کرنی ہے تو اس کے لیے اسلام کی خدمات حاصل کرنا لازمی ہوگا‘‘۔

لائف آف امریکہ (Life of America) کا ایڈیٹر اسلام کی صداقت وحقانیت اور اس کے عظیم الشان طرز حکومت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

’’اسلام کی فتوحات کے اسباب بحر روم کے ہمسایہ ملکوں کی بد نظمی اور عربوں کے پر جوش

جذبات اور عسکری طاقت میں مضمر نہیں ہیں بلکہ اسلام کی مستقل طاقت اور اس کے استحکام کا انحصار اس کے صاف اور واضح عقائد پر ہے، جس نے اسلامی نظام کو چودہ سو سال سے برقرار رکھا ہے۔ اسلام صرف ایک مجموعہ عبادت ہی کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک عالم گیر نظام حیات ہے جو انسانی افکار و خیالات کی اس حد تک رہنمائی کرتا ہے جس کا ہمسر یورپ میں کوئی نہیں''۔

مغربی قوانین کے برعکس اسلامی قوانین میں کہیں بھی کوئی تضاد یا اختلاف اپنے اصولیات کے اعتبار سے ہرگز نہیں پایا جاتا، فقہ اسلامی میں قانون کی اصطلاح ایک دائمی اور آفاقی حیثیت رکھتی ہے، جس میں کسی طرح کا تغیر ممکن نہیں۔ اسلامی قانون وہ ضابطہ عمل ہے جو وحی الٰہی سے ماخوذ ہے اور یہ ہر اعتبار سے غیر متبدل ہے۔ اور مغربی قوانین کی بیشتر ناکامیوں کی وجہ یہ ہے کہ وہ عصری تبدیلیوں سے دوچار ہے۔ اور عدم استحکام کا یہ معمولی رجحان اس وقت تک ختم نہیں کیا جاسکتا جب تک وہ آفاقی، عالم گیر اور غیر محرّف قرآنی وحی کو اپنے ملکی و بین الاقوامی قوانین کے نفاذ میں بہ طور ماخذ اور معیار تسلیم نہیں کر لیتے۔ صاف ظاہر ہے کہ فطرت انسانی کے باطنی اور بالفعل تقاضوں سے ناساز گار اور مسخ شدہ تصور کی بنیاد پر ایک غیر متبدل اور دائمی تصور قانون اخذ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ شرف و امتیاز صرف اسلامی قانون کو حاصل ہے کہ وہ ہر دور اور ہر زمانے کے مسائل کا حل پیش کر سکے اور جرائم کے خاتمے کے لیے اس کا عملی کردار سب سے زیادہ نمایاں ہو۔ ایک عظیم مغربی مفکر ''سیسرو'' (Cicero) اسلامی قوانین کو ایک دائمی اصول قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے:

"law is neither converted nor decreed by man; it is an eternal principle which rules the whole universe commanding what is right and prohibiting what is wrong hence law is no mere artefact but is the divine reason bestowed by the god on the human race."

(Robsow, W.A. Civilization and the growth of Law)

ایک اور انگریز مفکر لکھتا ہے کہ:

"in Islam, the most conspicuous fact about Muhammed

is that He was not merely a divine prophet but also a temporal ruler , who governed , judged, pusnished and legislated."

(یعنی) ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نمایاں ترین وصف یہ ہے کہ وہ محض ایک عظیم پیغمبر ہی نہیں بلکہ وہ ایسے حکم راں بھی تھے جو حکومت کی مسند انصاف پر متمکن ہوئے، لوگوں کو (ان کے جرائم پر) سزائیں دیں اور قانون سازی کی''۔

اصول شریعت وہ علم ہے جو اسلام کے پورے فکری و تہذیبی نظام کی اساس و بنیاد اور ماخذ و منبع کی حیثیت رکھتا ہے۔ تمام علوم و فنون اور تمدنی دھارے اسی سرچشمے سے پھوٹتے ہیں اور اسی کے سہارے پروان چڑھتے ہیں، اصول شریعت کا تعلق پورے نظام فکر و عمل سے ہے۔ اس وقت تک عملی و فکری احیا اور تہذیبی ارتقا کے سفر پر جادہ پیمائی نہیں ہوسکتی جب تک کہ علوم شریعت کو اپنے نظام زندگی، کار تحقیق اور ہیئت اجتماعی کا مرکز و محور نہ بنایا جائے۔

عصر حاضر میں انٹرنیٹ، فیس بک (Face Book)، پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک اور دیگر جدید ذرائع ابلاغ کی اہمیت وافادیت سے کلیۃً انکار کرنا دشوار گزار مرحلہ ہوگا، تاہم اس کے نتیجے میں جو جرائم عالمی امن و امان کو تباہ و برباد کیے ہوئے ہیں، اس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ جرائم کے سد باب کے لیے اسلامی اصول و ضوابط کی ترویج و اشاعت کی جدو جہد کرنا عہد حاضر کی سب سے بڑی ضرورت اور امت مسلمہ کی عظیم ترین ذمے داری ہے۔

زیر نظر کتاب ''جرائم کا سد باب اور اسلام'' محبّ گرامی قدر فاضل حضرت مولانا محمد توفیق احسنؔ برکاتی مصباحی زید مجدہ مدیر اعلیٰ ''ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی، ممبئی'' کا علمی شاہ کار ہے۔ بنیادی طور پر یہ کتاب نوجوانوں کی اصلاح اور ان کی اخلاقی تربیت کے حوالے سے لکھی گئی ہے، موصوف چوں کہ درس نظامی کے ایک کامیاب مدرس بھی ہیں، اس لیے مسائل کی تفہیم و تعبیر میں ان کی تدریس کا نمایاں حسن لفظ لفظ سے عیاں ہے۔ یہ ان کی تحریر کی خوبی ہے کہ فقہی اصطلاحات کو اس قدر شرح و بسط کے ساتھ علمی پیرائے میں بیان کیا ہے، جو عام قاری اور مدارس عربیہ کے طلبا دونوں کو بیک وقت متأثر کرتی ہے، اور یہ اعزاز صرف فقہ حنفی ہی کو حاصل ہے بلکہ اس کی

عمومیت وشہرت اور عامۃ الورود ہونے کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے کہ اس نے اسلامی قانون کی ہمہ گیریت پر نظر رکھتے ہوئے جدید وقدیم دنیا کی تمدنی زندگی پر اپنے گہرے اور وقیع اثرات مرتب کیے ہیں۔مولانا محمد توفیق احسن برکاتی مصباحی نے اپنی اس گراں قدر تصنیف میں اجتہاد کے تاریخی پس منظر اور اصول فقہ کی روشنی میں جدید دور کے متعدد حساس اور اجتماعی مسائل پر جامع اور مدلل بحث کی ہے،ساتھ ہی فقہ اسلامی کے تدریجی ارتقا اور ماخذِ شریعت قرآن وسنت،اجماع اور قیاس کا تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہوئے عصر حاضر میں جرائم کے سد باب کے لیے بھر پور رہ نمائی کی ہے۔اپنے موضوع کے اعتبار سے مصنف نے انتہائی احتیاط اور بصیرت کے ساتھ قلم اٹھایا ہے،اس کتاب کے عناوین اور اس کے عملی فوائد نے مجھے بے پناہ متاثر کیا ہے۔یہ فکر انگیز تصنیف جدید نفسیات اور ترجیحات کے مقابلے میں ذہنی مسائل کا حل قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش کرتی ہے،بادی النظر میں یہ کتاب افادۂ عام اور تعلیمی ضروریات کے لیے لکھی گئی ہے، لیکن مصنف کے تبحر علمی، دقت نظر، وسعت مطالعہ نے اسے فکری تحقیق کی اعلیٰ روایات سے آراستہ کر دیا ہے۔میرے نزدیک یہ ایک انتہائی مفید اور قابل قدر کوشش ہے،دعا ہے کہ مولیٰ کریم جل شانہ مصنفِ کتاب کی کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور انہیں دین متین کی حد درجہ خدمت کی توفیق ارزانی فرمائے،آمین۔

نفسِ گرم کی تاثیر ہے اعجازِ حیات
تیرے سینے میں اگر ہے تو مسیحائی کر!

خلوص کار: خاک پائے شہید راہِ مدینہ (حضور ثنیٰ میاں)
محمد فروغ القادری
ورلڈ اسلامک مشن (انگلینڈ)

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین، اما بعد!

اسلام ایک محکم اور آفاقی قانون کا نام ہے، جو اپنی مضبوط دفعات کی روشنی میں انسانی معاشرے کو خالص انسانیت کا گہوارہ بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے، جس کی بنیادی ترجیحات میں دو چیزیں بڑی اہم شمار کی جاتی ہیں، ایک تو یہ کہ انسان کا خدا سے کیا رشتہ ہے؟ اور دوسرے یہ کہ ایک انسان کا دوسرے انسان سے کیا رشتہ ہے؟ دین اسلام نے ان دونوں سوالوں کا ایک جواب دیا اور وہ یہ کہ ایک خدا تمام انسانوں کا خالق ہے، تو انسان کا خدائے تعالیٰ سے خالق اور مخلوق کا رشتہ ہوا اور ایک انسان کا دوسرے انسان سے بھائی بھائی کا رشتہ ہوا، مذہب اسلام نے ان دونوں رشتوں کے تحفظ کا حکم بھی دیا اور ان دونوں کے الگ الگ حقوق بھی متعین کیے، جن کی کامل ادائیگی اس بات کی ضمانت ہوگی کہ وہ دونوں رشتہ برابر استوار رہے گا، اس طرح حقوق اللہ اور حقوق العباد پر اسلام نے کھل کر بحث کی اور ان کی ادائیگی پر دنیا و آخرت میں کامیابی اور سرخ روئی کی بشارت دی۔

بندہ آقا کا پابند ہوتا ہے، خدا کے بندے بھی سب خدا کے ہی تابع فرمان ہوں گے اور اس کی رضا کے طالب اور خلاف ورزی ناراضی کا سبب، اس لیے خلاف ورزی کے سد باب کے لیے بطور تخویف و تہدید سزائیں مقرر کی ہیں، جن پر عمل کرنا ضروری ہے۔

اسلام نے جو سزائیں مقرر کی ہیں ان میں دو باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے، ایک: مجرم کو اس کے

جرم کی سزا دینا اور دوسرے یہ کہ جو لوگ ان جرائم کے درپے آزار ہوں اور ان کا قلبی میلان اس جانب ہو وہ سزا کی دہشت اور خوف ناکی کو دیکھ کر ان کے ارتکاب سے ہاتھ روک لیں اور جرم کے ارادے کو دل سے نکال دیں۔

انسان کی جان، مال اور ناموس کی حفاظت اسلام کا اولین مقصد و منشا ہے، جس کے لیے اس نے احکامات جاری فرمائے اور خلاف ورزی کی صورت میں دارین کے عذاب کا خوف دلایا، اس کے لیے نہ صرف جرائم کی تفصیلات پیش کر کے انجام سے باخبر کیا بلکہ ان کے محرکات و عوامل کی روک تھام کے لیے موثر تدبیریں پیش کی ہیں اور انسداد جرائم کے حوالے سے موثر اقدامات اور قابل قدر قوانین مرتب کیے ہیں۔

اس وقت ہم اکیسویں صدی کے انتہائی بھیانک اور نازک دور سے گزر رہے ہیں، آپ دنیا کے حالات کا جائزہ لیں تو معلوم ہو جائے گا کہ اس وقت پوری دنیا جرائم کی لپیٹ میں ہے، شیطانی اور غیر اخلاقی اعمال و کردار نے اس منصوبہ بندی سے دنیا والوں پر اپنا شکنجہ کس دیا ہے کہ بہ مشکل ہی اس سے خلاصی کی صورت نکالی جا سکتی ہے، جرائم پر کنٹرول کے لیے ہر روز نت نئے قانون پاس ہو رہے ہیں، کمشنریاں بن رہی ہیں، کمیٹیاں تشکیل دی جا رہی ہیں، لیکن کیا جرائم کم ہو رہے ہیں یا ان میں اضافہ ہو رہا ہے؟ یقیناً آپ کا جواب یہی ہوگا کہ ان میں اضافہ ہی ہو رہا ہے، کمی کی صورت دور دور تک دکھائی نہیں دیتی، آخر غلطی کہاں سے ہو رہی ہے؟ ان کا انسداد کیوں نہیں ہو رہا ہے؟ ان میں کمی کیوں نہیں آ رہی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس دنیا کی قانون ساز اسمبلیاں اور ادارے صرف جرموں کو دیکھ کر ان کے مناسب کنٹرول کا قانون پاس کر دیتے ہیں یا آئین مرتب کر دیتے ہیں، ان کے محرکات و عوامل پر بحث و مباحثہ نہیں کرتے، وہ بنیادی وجوہات کون کون سی ہیں، جن کی وجہ سے اس جرم کا ارتکاب ہو رہا ہے اس پر غور و خوض نہیں کیا جاتا، اس لیے اس قانون میں کوئی دم خم نہیں رہتا، وہ اپنا اثر و رسوخ کھو بیٹھتا ہے، جرائم پر قابو پانے کے لیے صرف سخت سے سخت قانون پاس کر دینا یا حکم جاری کر دینا کافی نہیں ہوگا بلکہ ان کے اسباب پر غور کرنا ضروری ہوگا اور پھر اس کی روشنی میں

قانون بنے گا تب انسداد جرائم میں کامیابی ملے گی، بدن میں درد پیدا ہو تو صرف درد کش انجکشن لگا دینے سے بیماری دور نہ ہوگی جب تک مرض کی صحیح تشخیص نہیں ہوگی اور اصل بیماری کا پتہ نہیں لگایا جائے گا۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ جرائم کے ارتکاب پر جو سزائیں مقرر کی گئی ہیں وہ جرائم کے لحاظ سے ناکافی ہیں، سزاؤں کے تعین میں دور اندیشی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا ہے، ہر عہد اور ہر زمانے میں بدلنے والی انسانی سوچ اور فطری تقاضوں پر غور نہیں کیا گیا ہے، اس لیے اس میدان میں ناکامی ہاتھ آتی ہے اور پھر ایک قانون جنم لیتا ہے۔

اور آخری اہم بات یہ ہے کہ یہ سزائیں اور قانون کی دفعات ایک انسان کی مرتب کردہ ہیں جو ماضی اور حال کو دیکھ کر قانون سازی کا فریضہ انجام دیتا ہے اور اسلام کی دفعات اور جرائم کی سزائیں اس ذات نے ترتیب دی ہیں جس کی نگاہ قدرت کے سامنے ماضی، حال اور مستقبل میں کوئی فرق نہیں ہے، وہ ہر زمانے کو یکساں دیکھتا ہے، ہر عہد کے تقاضوں سے واقف ہے اس لیے اسلام کا قانون نہ صرف آفاقی قانون ہے بلکہ ہر عہد کے لیے قیامت تک اس کے اثرات باقی رہیں گے اور وہ قانون جو آج سے پندرہ سو سالوں قبل اپنی افادیت کا لوہا منوا رہا تھا، آج بھی اور کل تک اس کی اثر پذیری قائم و دائم رہے گی۔

انسان اس وقت مادی منفعت کے حصول و طلب میں بڑی سرعت کا مظاہرہ کر رہا ہے، اس کا مطلوب زن، زر، زمین اس حد تک اس کے ذہن و فکر میں سرایت کر چکا ہے کہ اس کو حاصل کرنا ہے، چاہے کچھ بھی کرنا پڑے، اس کا سارا کام حرص و ہوس اور نفس کے مفاد کے لیے انجام پاتا ہے، دنیا کی طلب میں وہ اس قدر اندھا ہو جاتا ہے کہ اس کے لیے مقدس رشتوں کی پامالی پر بھی ذرہ برابر افسوس یا ندامت نہیں ہوتی، وہ ہر ناقابل بیان جرم کر گزرتا ہے، اس لیے شریعت اسلامیہ میں ان مجرمین کی سزا بھی بڑی عبرت ناک اور سبق آموز ہے تاکہ ان سزاؤں کی ہولناکی کو دیکھ کر کوئی دوسرا انسان اس جرم کے ارتکاب کی ہمت نہ جٹا سکے۔

اس وقت پوری دنیا میں انسانوں کی بڑی تعداد برباد ہو رہی ہے، اس کی وجہ فطرت سے

بغاوت اور نفسیاتی امراض کی کثرت ہے جس کی وجہ سے جرائم بڑھ رہے ہیں، وقار گھٹ رہا ہے، رشتے پامال ہو رہے ہیں، محبتیں کم ہو رہی ہیں اور دوریاں بڑھ رہی ہیں، ان تمام ناگفتہ بہ حالات اور فتنہ پرور ماحول پر صرف اور صرف شریعت اسلامیہ کے اصول اور دفعات ہی قابو پا سکتے ہیں، ان تمام امراض کا علاج اور تمام مسائل کا حل اسلام میں موجود ہے، اس کے سوا کہیں اور نہیں۔

اس مختصر سی کتاب میں ہم یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ جرائم کے انسداد کا اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے؟ اور ان کے اسباب وعوامل ومحرکات پر اسلام نے کس طرح قدغن لگایا ہے؟ خود سمجھیں اور دنیا کے ارباب بست وکشاد کو بتانے کی زحمت گوارا کریں، تاکہ دنیا کے وہ نام نہاد دانش وران جو اسلام کو چند رسومات کا مجموعہ سمجھ بیٹھے ہیں اور اسلام دشمنی میں اندھے پن کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ اس بات کو تسلیم کریں کہ اسلام چند عبادات واعمال کا مجموعہ نہیں بلکہ پوری انسانیت کا نجات دہندہ ہے اور ہر وہ کام جو انسانیت کے لیے زہر قاتل ہے اسلام اس کو ختم کرنے کے لیے کوشاں نظر آتا ہے۔ اسلام ایک عالمی دین ہے، آفاقی مذہب ہے اور اس کی ہمہ گیر تعلیمات اور نفع بخش پیغامات اپنی اثر انگیزی اور افادیت کے اعتبار سے تمام ادیان ومذاہب میں امتیازی نشان رکھتے ہیں۔

اسلام میں جرم وسزا کی حقیقت:

جرم کو عربی زبان میں ''جنایت'' کہتے ہیں جس کے معنی کسی برے فعل (گناہ) کا ارتکاب ہے، فقہ وحدیث وغیرہ کی کتابوں میں ''باب الجنایات'' ایک مستقل باب کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے اور اس پر تفصیلی کلام کیا جاتا ہے۔

شریعت میں جرم ہر اس ممنوع کام کو کہتے ہیں جس کے لیے اللہ عزوجل نے کوئی حد یا سزا مقرر کر دی ہے، دوسرے الفاظ میں جرم ہر اس فعل کا ارتکاب ہے جو شرعی دلیل سے ممنوع ہو، خواہ اس کا تعلق جان ومال سے ہو یا عزت وآبرو سے، چوں کہ اسلام انسانوں کی جان، مال اور آبرو کے تحفظ کی ضمانت فراہم کرتا ہے، اس لیے جن جن راستوں سے ان تینوں کا وجود خطرے میں پڑ رہا ہو ان کا سد باب کر دیا ہے، احکام شرعیہ کی مشروعیت کا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ مفاسد کے ازالے میں ہر وقت اپنی ضرورت پیش کریں۔

حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں:

''شریعت کے پیش نظر مقاصد پانچ ہیں، یعنی انسان کے دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت، پس ان پانچ بنیادی مقاصد کی حفاظت جس چیز سے ہو وہ مصلحت ہے اور جس سے اس کو نقصان پہنچے وہ مفسدہ ہے اور اس کا ازالہ مصلحت ہے۔'' (المستصفی، ص: ۱۴۰، ج:۱)

اسی سے ملتی جلتی بات علامہ شاطبی علیہ الرحمہ نے ''الموافقات'' میں لکھی ہے، فرماتے ہیں:

''**الاحکام الشرعیة انما شرعت لجلب المصالح ودرء المفاسد وھی مسبباتھا قطعاً**'' یعنی احکام شرعیہ مصالح کے حصول اور مفاسد کے ازالہ کے لیے وضع کیے گئے ہیں اور یقیناً اس کے پیش نظر انہیں مقاصد کا حصول رہا ہے۔'' (الموافقات، ص: ۱۹۵، ج:۱)

اسلام ہر مرض کا علاج اور ہر بیماری کی شفا بن کر آیا ہے، اس لیے اس نے تمام امراض پر کھل

کر بحث کی ہے، جرائم کی تفصیل بھی بیان کی ہے، اور ان کے انسداد کے طریقے بھی بتا دیے ہیں، جرم کے مقابل اس کی سزا کی وضاحت بھی کردی اور ہر جگہ، ہر مقام پر عدل وتوازن کی شان جھلکتی دکھاتی دیتی ہے، خواہ جان تلف کردینے پر قاتل سے قصاص کا معاملہ ہو، مال پر دست درازی کرنے کا حکم قطع ید ہو یا کسی کی عزت وناموس داغ دار کرنے والے پر حد قذف کا کلیہ ہو، ہر جگہ ہر معاملہ میں اعتدال اور توازن دکھائی دیتا ہے، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ تہمت لگانے والے پر حد قذف کا حکم مناسب نہیں یا چوری کرنے والے پر قطع ید کا حکم اعتدال کے خلاف ہے، جو سزا جس جرم کے لیے مقرر کی گئی ہے وہی سزا اس جرم کو ختم کرنے کے کافی ہوگی اور جس جنایت کے لیے جس حد کا حکم دیا گیا وہ حد اس کے لیے بہت مناسب ہے۔ اس اعتبار سے بھی عقوبات شرعیہ کا یہ قانون انسانوں کے بنائے گئے تمام قانون پر فوقیت رکھتا ہے۔

شریعت اسلامیہ چھوٹے سے چھوٹے جرم کو نظر انداز نہیں کرتی کیوں یہی چھوٹے جرائم بڑے بھیانک جرائم کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتے ہیں، ایک چھوٹی سی کنکری اچھال دینے سے کسی کو کتنا زخم پہنچ سکتا ہے؟ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے بھی منع فرما دیا ہے، کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ وہی چھوٹی سی کنکری آنکھ سے ٹکرا جائے اور ایک انسان بینائی سے محروم ہو جائے یا سخت تکلیف اٹھائے، اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مذہب اسلام نے انسانیت کی فلاح وصلاح اور انسانی جانوں کے احترام میں کتنی ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے، آگے کی سطور میں ہم ان شاء اللہ عزوجل اختصار کے ساتھ اسلامی سزاؤں کی وضاحت ان کے جرائم کے ساتھ کریں گے اور پھر بتائیں گے کہ ان جرائم پر قدغن لگانے کے لیے اسلام نے کیا رول ادا کیا ہے اور کیا قانون بنایا ہے۔

عقوباتِ شرعیہ (اسلامی سزائیں):

شریعت اسلامیہ نے عقوبات کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) حد (۲) قصاص (۳) تعزیر

اس اعتبار سے جرائم کی تقسیم ”حدودی جرائم، قصاص اور دیت کے جرائم اور تعزیری جرائم“

کی شکل میں کی جائے گی۔

حد کی تعریف: الحد بانہ عقوبة مقدرة حقا للہ تعالیٰ. یعنی وہ متعین سزا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے، یہ اللہ کا حق ہے لہٰذا اسے کوئی فرد یا جماعت ساقط نہیں کرسکتی۔

حدودی جرائم:

علمائے احناف کے نزدیک جو حدود قرآن کریم سے ثابت ہیں وہ صرف پانچ ہیں:

(۱) **حد زنا:** جو اس آیت کریمہ سے ثابت ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِىُ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ.

(سورہ نور، ۲۴۔آیت:۲)

ترجمہ: جو عورت بدکار ہو اور جو مرد، تو ان میں ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ اور تمہیں ان پر ترس نہ آئے اللہ کے دین میں، اگر تم ایمان لاتے ہو اللہ اور پچھلے دن پر۔

(۲) **حد سرقہ:** جو اس آیت مقدسہ سے ثابت ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً ۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (سورۂ انعام ۶۔آیت:۱۴۱)

ترجمہ: اور جو مرد یا عورت چور ہو تو ان کا ہاتھ کاٹو ان کے کیے کا بدلہ، اللہ کی طرف سے سزا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

(۳) **حد شرب خمر:** یہ اس آیت مبارکہ سے ثابت ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

(سورہ مائدہ ۵۔آیت:۹۰)

ترجمہ: اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام، تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ۔

(۴) **حد قطاع الطریق:** جو اس آیت مقدسہ سے ثابت ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَ اَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِکَ لَھُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ. (سورہ مائدہ ۵، آیت: ۳۳)

ترجمہ: وہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں ان کا بدلہ یہی ہے کہ گن گن کر قتل کیے جائیں یا سولی دیے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں یا زمین سے دور کردیے جائیں، یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب۔

(۵) **حد قذف:** یہ اس آیت مقدسہ سے ثابت ہے:

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَۃِ شُھَدَآءَ فَاجْلِدُوْھُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَۃً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَھُمْ شَھَادَۃً اَبَدًا وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ. (سورہ نور ۲۴۔ آیت: ۴)

ترجمہ: اور جو پارسا عورتوں کو عیب لگائیں، پھر چار گواہ معائنہ کے نہ لائیں تو انہیں اسّی کوڑے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی کبھی نہ مانو اور وہی فاسق ہیں۔

(حدود قرآنی کی یہ تفصیل ''**الفقہ علی المذاھب الاربعۃ**'' ص: ۱۱ تا ۱۲ سے اخذ کی گئی ہے اور آیات کا ترجمہ ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' کی روشنی میں کیا گیا ہے)

حدود کا تذکرہ احادیث نبویہ میں:

ہم ذیل میں چند احادیث مبارکہ کو درج کریں گے جن میں آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدودی جرائم کا ذکر فرمایا ہے۔

یہ بات ذہن نشیں رہے کہ حدودی جرائم ثابت ہوجانے کے بعد کسی کو بھی ان کے ساقط

کر دینے کا اختیار نہیں، کیوں کہ یہ خالص اللہ عز و جل کا حق ہے۔

عن عبادة بن الصامت قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: اقيموا حدود الله في القريب والبعيد ولاتاخذكم في الله لومة لائم.

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی حدیں قائم کرو خواہ وہ تمہارا قریبی ہو یا دور والا ہو اور حق اللہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہ کرو۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب الحدود، باب اقامۃ الحدود، ص:۱۸۲، ج:۲)

اب اقامتِ حد کے سلسلے میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تیور ملاحظہ کریں:

بنی مخزوم کی ایک عورت نے کسی کا زیور چرالیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر چوری کی حد قائم کرنے کا حکم دیا، مہاجرین نے حضرت اسامہ بن زید کو سفارشی بنا کر بھیجا، اسامہ کی بات سن کر فرط غضب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا، فرمایا: اے اسامہ! کیا تو اللہ تعالیٰ کی حد کے قائم کرنے کے بارے میں سفارش کرتا ہے، تم سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کو ہلاک کر دیا جن میں اگر کوئی شریف زادہ چوری کرتا تو اس کو معاف کر دیتے اور اگر کوئی ضعیف یا کمزور شخص چوری کرتا تو اس پر حد قائم کی جاتی۔

اقلیم عدل وانصاف اور کشور فضل واحسان کے فرماں روا نے فرمایا: "**ایم الله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطع محمد يدها**" خدا کی قسم! (بالفرض) اگر میری اپنی لخت جگر فاطمہ بھی اس جرم کی مرتکب ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ (بخاری شریف، کتاب الحدود، ص:۱۰۰۳، ج:۲)

مسلم شریف اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ: **ثم امر بتلك المرأة التي سرقت فقطعت يدها**، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس

چوری کرنے والی عورت کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔
(مسلم،ص:۶۴،ج:۲،ابوداؤد،۶۰۱،ج:۲)

بخاری شریف کی روایت ہے:

عن زید بن خالد الجهنی قال: سمعت النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یأمر فیمن زنی ولم یحصن جلد مأة وتغریب عام.

حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ زانی غیر محصن (غیر شادی شدہ) کو سو کوڑے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کا حکم دیتے۔
(بخاری شریف،ص:۱۰۱،ج:۲)

بخاری باب ''کم التعزیر والادب'' میں ہے:

عن ابی بردة قال کان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: لایجلد فوق عشر جلدات الا فی حد من حدود الله.

حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: دس کوڑے سے زائد صرف حدود اللہ قائم کرنے میں مارے جائیں۔(بخاری شریف،ص:۱۰۱۲،ج:۲)

ترمذی شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ضرب الحد بنعلین اربعین قال مسعر: اظنه فی الخمر.

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چالیس جوتوں کی حد جاری کی، حضرت مسعر فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ یہ شراب کے متعلق تھا، یعنی شراب نوشی کی حد جاری فرمائی۔(ترمذی،ابواب الحدود،ص:۲۶۶،ج:۱)

ابوداؤد میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: اذا شربوا الخمر فاجلدوھم ثم اذا شربوا فاجلدوھم ثم اذا شربوا فاجدلوھم ثم اذا شربوا فاقتلوھم.

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب لوگ شراب نوشی کریں تو انہیں کوڑے مارو پھر کریں تو پھر مارو، پھر کریں تو کوڑے مارو اور چوتھی بار کریں تو انہیں قتل کردو۔ (یہاں بطور تشدید قتل کرنے کا حکم دیا گیا)

(ابوداؤد ابواب الحدود، ص:٦١٦، ج:٢)

مشکوٰۃ ''کتاب الحدوذ'' میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

ان رجلا زنی بامرأۃ فامر بہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجلد الحد ثم اخبر انہ محصن فامر بہ فرجم (رواہ ابوداؤد).

ایک شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو کوڑے مارنے کا حکم دیا اس پر حد جاری کردی گئی پھر بتایا گیا کہ وہ محصن ہے، اب آپ نے اسے سنگ سار کرنے کا حکم دیا چناں چہ اسے سنگ سار کیا گیا۔

(مشکوٰۃ کتاب الحدود الفصل الثانی، ص:٣١٢)

یہ بات ذہن نشیں رہے کہ قرآن مقدس میں زانیہ اور زانی کے لیے کوڑے مارنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ غیر محصن (غیر شادی شدہ آزاد) کے لیے ہے، اگر یہ دونوں محصن (شادی شدہ مرد عورت) ہوں تو انہیں سنگ سار کیا جائے گا۔ (ملا احمد جیون، تفسیرات احمدیہ، ص:٣٥٧)

قصاص کی تعریف:

''ھو معاملۃ الجانی بمثل اعتدائہ فان القصاص معناہ المماثلۃ''.

ظالم کو اس کے ظلم کے مثل بدلہ دینا اس لیے کہ قصاص کا معنی مماثلت ہے۔

قصاص اور دیت یہ دونوں سزائیں افراد کے لیے متعین ہیں کہ اس کی سزا ایک ہی ہوگی، اس کے ساتھ دوسری طرح کی سزائیں نہیں جاری کی جاسکتیں جب تک کہ اس سلسلے میں کوئی شرعی نص

نہ ہو۔

حد اور قصاص میں فرق:

حد اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اگر حاکم کو مجرم کا جرم ثبوت کے ساتھ معلوم ہو جائے تو اس کو سزا دینے کا حق ہے اس طور پر کہ یہ اس کے اوپر واجب ہے، اسے معاف نہیں کرسکتا اور قصاص بندہ کا حق ہے چاہے تو اسے معاف کردے یا بدلہ لے لے۔(الفقه علی المذاهب الاربعة)

قصاص کا ثبوت قرآن مقدس کی اس آیت کریمہ سے ملتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِىَ لَه مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَه عَذَابٌ اَلِيْمٌ. وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ.

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر فرض ہے کہ جو ناحق مارے جائیں ان کے خون کا بدلہ لو، آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت، تو جس کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی ہوئی تو بھلائی سے تقاضا ہو اور اچھی طرح ادا، یہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارا بوجھ ہلکا کرنا ہے اور تم پر رحمت، تو اس کے بعد جو زیادتی کرے، اس کے لیے دردناک عذاب ہے اور خون کا بدلہ لینے میں تمہاری زندگی ہے اے عقل مندو! کہ تم کہیں بچو۔(سورہ بقرہ ۲، آیت: ۱۷۸،۱۷۹)

خون ناحق کی صورتیں اور احکام:

خون ناحق کی پانچ صورتیں ہیں: (۱) قتل عمد (۲) قتل شبہ عمد (۳) قتل خطا (۴) قائم مقام خطا (۵) قتل بالسبب۔ ''قصاص قتل عمد میں واجب ہوتا ہے کہ ایسے کو قتل کیا جس کے خون کی محافظت ہمیشہ کے لیے ہو جیسے مسلم یا ذمی کہ اسلام نے اس کی محافظت کا حکم دیا ہے، بشرطے کہ

قاتل مکلّف ہو یعنی عاقل بالغ ہو، مجنون یا نابالغ سے قصاص نہیں لیا جائے گا، بلکہ اگر قتل کے وقت عاقل تھا اور بعد میں مجنون ہوگیا، اگر قتل کے لیے ابھی حوالے نہیں کیا گیا ہے، قصاص ساقط ہو جائے گا اور اگر قصاص کا حکم ہو چکا اور قتل کرنے کے لیے دیا جا چکا ہے اس کے بعد مجنون ہو گیا تو قصاص ساقط نہیں ہوگا اور ان صورتوں میں بجائے قصاص اس پر دیت واجب ہو گی''۔

(بحر الرائق ص:۲۹۴، ج:۸، شامی، ص:۴۷۰، ج:۵)

''قتل عمد کی سزا دنیا میں فقط قصاص ہے یعنی یہی متعین ہے، ہاں اگر اولیاے مقتول معاف کر دیں یا قاتل سے مال لے کر مصالحت کر لیں تو یہ بھی ہو سکتا ہے، مگر بغیر مرضیِ قاتل اگر مال لینا چاہے تو نہیں ہو سکتا یعنی قاتل اگر قصاص کو کہے تو اولیاے مقتول اس سے مال نہیں لے سکتے، مال پر مصالحت کی صورت میں دیت کے برابر، کم یا زیادہ تینوں ہی صورتیں جائز یعنی مال لینے کی صورت میں یہ ضروری نہیں کہ دیت سے زیادہ نہ ہو اور جس مال پر صلح ہوئی وہ دیت کی قسم سے ہو یا دوسری جنس ہو، دونوں صورتوں میں کمی بیشی ہو سکتی ہے''۔ (فتاویٰ عالم گیری، ص:۳، ج:۶)

''اگر اولیاے مقتولین میں سے کسی ایک نے معاف کر دیا تو بھی باقی کے حق میں قصاص ساقط ہو جائے گا، لیکن دیت واجب ہو جائے گی''۔ (تبیین الحقائق، ص:۹۹، ج:۶)

قتل عمد کی تعریف اور حکم:

قتل عمد کی تعریف صاحب ہدایہ یوں لکھتے ہیں: (ترجمہ)

کسی دھار دار آلہ سے قصداً قتل کرے، آگ سے جلا دینا بھی قتل عمد ہے،

مثلاً تلوار، چھری، یا لکڑی یا بانس کی کھپچی میں دھار نکال کر قتل کیا یا دھار دار پتھر سے قتل کیا، تو قتل عمد ہوگا۔ (ہدایہ آخرین، کتاب الجنایات، ص:۵۵۹)

اگر کوئی اس جرم کا ارتکاب کر جائے تو نہ صرف یہ کہ وہ سخت گنہ گار، مستحق عذاب نار ٹھہرے گا بلکہ اس سے قصاص بھی لیا جائے گا، قرآن مقدس میں اس کے لیے سخت وعید آئی ہے، مثلاً یہ آیت کریمہ:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ

اللہُ عَلَیۡہِ وَلَعَنَہٗ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیۡمًا .

اور جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے کہ مدتوں اس میں رہے اور اللہ نے اس پر غضب کیا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لیے تیار رکھا بڑا عذاب۔ (سورۂ انعام ۴۔ آیت: ۹۳)

دوسری آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیۡنَ لَا یَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ وَ لَا یَقۡتُلُوۡنَ النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ لَا یَزۡنُوۡنَ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ یَلۡقَ اَثَامًا .

اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پوجتے اور اس جان کو جس کی اللہ نے حرمت رکھی ناحق نہیں مارتے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے وہ سزا پائے گا۔ (سورۂ فرقان ۲۵۔ آیت: ۶۸)

اور بے شمار احادیث مبارکہ میں انسانی جان کے قتل ناحق پر سخت سے سخت عذاب سے متنبہ کیا گیا ہے، مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اول ما یقضی بین الناس یوم القیامۃ فی الدماء (رواہ البخاری). قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون (قتل) کا فیصلہ ہوگا۔ (مسلم شریف، کتاب القصاص، ص: ۶۰، ج: ۲)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن سات ہلاک کرنے والے کاموں سے بچنے کا حکم دیا تو ان میں آپ نے قتل ناحق کو بھی شمار کیا ہے۔ (بخاری شریف، ص: ۱۰۱۳، ج: ۲)

بخاری شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

الکبائر الاشراک باللہ وقتل النفس والیمین الغموس، یعنی کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، کسی نفس کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم ہے۔

(بخاری شریف، کتاب الدیات، ص: ۱۰۱۵، ج: ۲)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **کل ذنب عسی اللہ ان یغفر الا رجل یموت کافراً او رجل یقتل مومناً متعمداً**. یعنی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو بخش دے مگر جو شخص حالت کفر میں مرجائے یا وہ شخص جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے۔

(الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ علی الھامش، ص:۵۵۹، ج:۴)

بیہقی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لقتل مومن اعظم عند اللہ من زوال الدنیا، کسی مومن کا قتل اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کے زوال سے بھی بڑا جرم ہے۔

(سنن کبریٰ بیہقی، ص:۲۲، ج:۸)

شبہ عمد کی تعریف اور حکم:

شبہ عمد کا مطلب یہ ہے کہ اسلحہ یا اس کے قائم مقام چیز کے علاوہ کسی اور سے قتل کرے مثلاً کسی کو لاٹھی یا پتھر سے قتل کردے، اس میں کفارہ اور دیت لازم ہوتی ہے اور میراث سے محرومی ہاتھ آتی ہے۔ (ہدایہ آخرین، کتاب الجنایات، ص:۵۶۰، ۵۶۱، ج:۴)

قتل خطا کا مطلب:

قتل خطا کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) خطا فی القصد (۲) خطا فی الفعل

خطا فی القصد کا معنی قصد میں غلطی کر جانا مثلاً شکار سمجھ کر تیر چلایا اور تیر کسی آدمی کو لگ گیا اور وہ فوت ہو گیا۔

خطا فی الفعل کا معنی فعل میں غلطی کرنا مثلاً نشانہ لگا رہا تھا اور تیر یا گولی کسی آدمی کو لگ گئی اور وہ مر گیا۔

ان دونوں صورتوں میں کفارہ اور دیت لازم ہوگی اور میراث سے محرومی کا حکم ہوگا۔ (ہدایہ آخرین، ص:۵۶۱، ج:۴)

قائم مقام خطا:

قائم مقام خطا کا مطلب یہ ہے مثلاً سویا ہوا شخص کسی دوسرے شخص پر گر گیا جس کی وجہ سے وہ فوت ہو گیا، اس کا بھی حکم قتل خطا کی طرح ہے۔

(ہدایہ آخرین، ص:۵۶۱، ج:۴)

قتل بالسبب:

مثلاً دوسرے کی زمین میں کنواں کھود دیا یا پتھر رکھ دیا اور کوئی آدمی اس میں گر کر یا اس سے ٹکرا کر مر گیا تو اس میں دیت لازم ہوگی کفارہ نہیں۔

(ہدایہ آخرین، ص:۵۶۲، ج:۴)

خلاصہ یہ کہ قصاص صرف پہلی قسم یعنی قتل عمد میں واجب ہوتا ہے اور دوسری، تیسری، چوتھی قسم میں کفارہ اور دیت واجب ہوگی اور آخری قسم میں صرف دیت لازم ہوگی۔

غیر مسلم ذمی کے قتل کا حکم:

مذہب اسلام اور شریعت اسلامیہ کا یہ حکم قصاص اور یہ قانون محض مسلمانوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اسلامی حدود میں رہنے والے غیر مسلموں (ذمی) کو بھی شامل ہے، لہٰذا اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی کو ناحق قتل کر دیا تو بدلے میں اسے بھی قتل کیا جائے گا، یعنی جس طرح کسی مسلمان کو قصداً قتل کر دینے سے قصاص واجب ہوتا ہے اور شبہ عمد اور قتل خطا میں کفارہ اور دیت لازم ہوتی ہے، اسی طرح اگر کسی مسلمان نے ذمی کو قصداً قتل کیا تو قصاص واجب ہوگا اور دوسری صورت (شبہ عمد اور قتل خطا) میں دیت اور کفارہ لازم ہوگی۔

مشکوٰۃ شریف میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة وان ريحها توجد من مسيرة اربعين خريفا (رواه البخارى).

جو شخص کسی معاہد (غیر مسلم ذمی) کو قتل کرے، اسے جنت کی خوشبو حاصل نہ ہوگی، اور بے شک اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آئے گی۔
(مشکوٰۃ، کتاب القصاص، ص:۲۹۹)

ایک دوسری حدیث مبارکہ میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا من قتل نفسا معاهداً لها ذمة الله وذمة رسوله فقد احقر ذمة الله ولا يرح رائحة الجنة. سنو! جس نے کسی معاہدہ والے (ذمی) کو جس کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذمہ ہے، قتل کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کے ذمہ کو حقیر جانا اور وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا۔
(ترمذی شریف، ص:۱۶۸، ج:۱)

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے:

"**دمائهم كدمائنا وأموالهم كأموالنا**". یعنی ان کے خون ہمارے خون کی طرح ہیں اور ان کے مال ہمارے مال جیسے ہیں۔ (**مرقاة شرح مشكوٰة، باب الكتاب الىٰ الكفار ودمائهم**، ص:۱۷، حصہ۱۲)

تفسیرات احمدیہ میں ملا احمد جیون علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

"**ثم الحكم عام على المسلم والذمى جميعا لان الكفار يخاطبون بالحدود والقصاص فيقتل الذمى بالمسلم وبالعكس**".

قصاص کا یہ حکم مسلمان اور ذمی غیر مسلم دونوں کو شامل ہے کیوں کہ کفار بھی حدود اور قصاص کے مخاطب ہیں، اس لیے ذمی بطور قصاص مسلمان کے قتل میں مارا جائے گا اور مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل کیا جائے گا۔
(تفسیرات احمدیہ، اشرفی بک ڈپو، دیوبند، ص:۴۷)

قصاص کی ایک دوسری قسم:

قصاص کا معنی برابری، مماثلت اور مساوات ہے۔

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ ''تفسیر کبیر'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''**القصاص عبارة عن المساواة**'' قصاص سے مراد مساوات و برابری ہے۔ (تفسیر کبیر، ص:۵۵، ج:۵)

''**واما القصاص فهو أن يفعل بالانسان مثل مافعل**'' یعنی قصاص یہ ہے کہ انسان کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جو اس نے دوسرے کے ساتھ کیا ہے، مطلب اس کے ظلم کے مثل بدلہ دینا ہے۔ (تفسیر کبیر، ص:۵۱، ج:۵)

قتل اور خوں ریزی کے سد باب کے لیے قصاص اور اس میں مساوات دونوں ضروری ہے، قرآن عظیم نے مساوات کا درس اس انداز میں دیا:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ.

ترجمہ: اور ہم نے توریت میں ان پر واجب کیا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں بدلہ ہے، پھر جو دل کی خوشی سے بدلہ کرا دے تو وہ اس کا گناہ اتار دے گا اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (سورۂ مائدہ، ۵۔۴۵)

علامہ ملا احمد جیون علیہ الرحمہ ''تفسیرات احمدیہ'' میں اس آیت کے تحت رقم طراز ہیں:

''اس آیت میں اگر چہ یہ بیان ہے کہ توریت میں یہود پر قصاص کے یہ احکام تھے، لیکن چوں کہ ہمیں ان کے ترک کا حکم نہیں دیا گیا اس لیے ہم پر یہ

احکام لازم رہیں گے۔ کیوں کہ شرائع سابقہ کے جو احکام خدا و رسول کے بیان سے ہم تک پہنچے اور منسوخ نہ ہوئے ہوں وہ ہم پر لازم ہوا کرتے ہیں"۔
(تفسیرات احمدیہ، ص:۲۳۴)

اوپر ذکر کردہ آیات اور تفسیری وضاحت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بدلہ لینے میں مماثلت و مساوات انتہائی ضروری ہے۔

اسلام کا قانون ہر ایک کے لیے برابر ہے، امیر و غریب، ذات پات اور رنگ و نسل کی بنیاد پر تفریق بالکلیہ نا قابل قبول ہے، شریعت اسلامیہ کا یہی رنگ تمام ادیان و مذاہب کے رنگوں پر بھاری ہے اور اپنی امتیازی شان کا اعلان کرتا ہے۔

سنن نسائی، ابو داؤد اور ابن ماجہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

"نصر کی بیٹی ربیع نے ایک لڑکی کے دانت توڑ دیے، ربیع کے گھر والوں نے اس لڑکی سے عفو و درگزر کی درخواست کی لیکن اس کے گھر والوں نے معاف کرنے سے انکار کر دیا، انہوں نے معاوضہ دے کر صلح کرنا چاہی، لیکن یہ کوشش بھی کامیاب نہ ہوئی، بارگاہ رسالت میں انہوں نے آکر فریاد کی اور عرض کیا کہ ہم تو ربیع سے اپنی بچی کا قصاص ہی لیں گے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ربیع، اس کے باپ اور اس کے خاندان کی وجاہت و وقار کو نظر انداز کرتے ہوئے فیصلہ فرما دیا کہ ربیع سے قصاص لیا جائے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ربیع جیسی شریف زادی کے دانت توڑ دیے جائیں گے؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا: کتاب اللہ القصاص (اے انس! قصاص لینا اللہ کا حکم ہے)

چناں چہ جب اس عورت کے خاندان والوں نے عدل و انصاف کی بالا دستی کو دیکھا تو ان کا غصہ فرو ہو گیا اور انہوں نے خوش دلی سے ربیع کی خطا معاف کر دی"۔ (سنن ابن ماجہ، ابواب الدیات، ص: ۱۹۰، ج:۲)

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

خون ناحق کے متعلق قصاص کا فیصلہ درست، لیکن قرآن مقدس میں فرمایا گیا: ولکم فی القصاص حیوٰۃ، اور تمہارے لیے قتل کا بدلہ لینے میں زندگی ہے۔ (سورہ بقرہ ۲، آیت: ۱۷۹) حالاں کہ قصاص کے اندر ایک جان کا تلف لازم آتا ہے، ایک زندگی ختم کی جاتی ہے تو قصاص میں زندگی کہاں؟

تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آیت کی مراد یہ نہیں کہ نفس قصاص زندگی ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ قصاص کی مشروعیت قاتل (جس نے قتل کا ارادہ کیا) مقتول (جس کے قتل کا ارادہ کیا) اوران دونوں کے علاوہ کے حق میں زندگی کا سبب ہے۔ جس نے قتل کا ارادہ کرلیا اس کے حق میں زندگی اس طرح کہ جب اسے یقینی طور پر معلوم ہوگا کہ قتل کردینے پر بدلے میں وہ بھی ماردیا جائے گا تو اقدام قتل سے خود کو روک لے گا، جب اس نے قتل نہیں کیا تو قصاص کی ضرورت پیش نہیں آئے گی تو ایک زندگی بچی، اور جس کے قتل کا ارادہ کرلیا ہے اس کے حق میں زندگی کا تصور اس طرح کہ جب قتل کا ارادہ کیا لیکن قصاص کے خوف سے قتل سے باز آیا اور قتل نہیں کیا تو ایک جان قتل سے محفوظ ہوگئی۔ اوران دونوں کے علاوہ کے حق میں زندگی کا تصور اس طرح کہ قصاص کی مشروعیت نے قاتل اور مقتول کے ساتھ تمام لوگوں کی زندگیاں محفوظ کردیں اس طرح کہ اگر یہ قتل ہوجاتا تو فتنہ بھڑک اٹھنے کا اندیشہ بڑھ جاتا اور فریقین خوں ریزی پر اتر آتے اور ناحق قتل کا ایک سلسلہ چل نکلتا لیکن قصاص نے ان تمام زندگیوں کو بچا لیا، اس لیے قصاص سے ہزاروں زندگیاں حاصل ہوگئیں''۔ (تفسیر کبیر، ص: ۶۰، ج: ۵)

ایسا ہی تفسیر بیضاوی (عربی) ص: ۱۲۶، تفسیر روح البیان (عربی)، ص: ۲۸۵، ج: ۱، اور تفسیرات احمدیہ (عربی) میں ص: ۴۸ پر بیان کیا گیا ہے۔

تعزیری جرائم:

تعزیر کا مطلب تادیبی کارروائی ہے، تعزیری جرائم سے مراد وہ جرائم ہیں جن کے لیے کوئی حد یا قصاص کا تعین شریعت اسلامیہ نے نہیں کیا ہے، بلکہ حاکم وقت صاحب اجتہاد ورائے کو اختیار ہے کہ اس کے لیے جو مناسب سزا چاہے تجویز کرے اور جرم ثابت ہو جانے کے بعد سزا دے، یہ سزا اور تادیبی کارروائی بھی جرائم کی روک تھام میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور مجرم کو دوبارہ اس جرم کے ارتکاب کی ہمت نہیں ہوتی، مثلاً رشوت، غبن، خیانت، جھوٹی شہادت، سب وشتم اور دیگر تمام چھوٹے بڑے اس نوعیت کے جرائم جو ہماری تعزیرات میں شامل ہیں۔

خلاصۂ کلام:

عقوبات شرعیہ کے اس تفصیلی بیان اور جرائم کی تقسیم سے یہ باتیں واضح ہوتی ہیں۔

(۱) حدودی جرائم میں زنا کاری، چوری، شراب نوشی، ڈاکہ زنی اور پاک دامن عورت پر تہمت لگانا شامل ہیں۔

(۲) حدود کو سرے سے کوئی معاف نہیں کرسکتا حتی کہ ذمہ دار اور مظلوم بھی نہیں۔

(۳) خون ناحق کی پانچ صورتوں میں سے قصاص صرف قتل عمد میں واجب ہوتا ہے۔

(۴) قصاصی جرائم میں مظلوم دیت لے کر مجرم کو معاف کرسکتا ہے، اسی طرح وہ دیت کو بھی معاف کرسکتا ہے۔

(۵) قصاصی جرائم میں جب تک سزا مقرر نہ ہو جائے قاضی کو اسے نافذ کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

(٦) تعزیزی جرائم میں حاکم وقت صاحب اجتہاد کو اپنے اجتہاد اور صواب دید سے مناسب سزا نافذ کرنے کا اختیار رہوگا۔

(۷) جرم کیسا بھی ہو سزا مقرر کرنے سے قبل اس کا ثابت کرنا ضروری ہے۔

جرائم کا ثبوت ضروری ہے:

مثلاً زنا کاری میں متہم زانی اور زانیہ پر حد اس وقت جاری کی جائے گی جب زنا ثابت ہو جائے، زنا جیسے جرم میں مجرم اپنے جرم کا چار بار اقرار کر لے تو ثابت ہو جائے گا یا چار مرد گواہ کے طور پر موجود ہوں اور گواہی دے دیں۔

معروف و مستند تفسیر ''تفسیرات احمدیہ'' میں ملا احمد جیون علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

''ان الزنا لا يثبت الا باقرار الزانى اربع مرات أو بشهادة اربع رجال''. یعنی زنا کا ثبوت اس وقت تک نہ ہوگا جب تک زانی چار مرتبہ اس عمل قبیح کا اقرار نہ کر لے یا چار مرد گواہی نہ دے دیں۔

(تفسیرات احمدیہ، ص:۳۵۸)

یہ نکتہ ذہن نشیں رہے کہ حد زنا میں چار مرتبہ اقرار کی شرط ہے لیکن اس کے علاوہ دیگر حدود میں صرف ایک بار اقرار کر لینا اِجرائے حد کے لیے کافی ہوگا۔

الاشباہ والنظائر میں علامہ ابن نجیم حنفی قدس سرہ رقم طراز ہیں:

يشترط فى الاقرار بالزنا ان يكرر اربع مرات وفى سائر الحدود يكتفى باقرار واحد والفرق ان الزنا اقبح من غيره.

یعنی اقرار زنا میں چار مرتبہ تکرار کی شرط ہے اور بقیہ حدود میں صرف ایک بار اقرار کافی ہے، فرق یہ ہے کہ زنا اپنے علاوہ جرائم سے قبیح تر ہے۔

(الاشباہ والنظائر، ص:۳۴۹، ج:۳)

جیسا کہ مشکوٰۃ شریف کی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے:

''حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے زنا کر لیا ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ انور پھیر لیا، پھر دوبارہ چہرۂ اقدس کی جانب رخ کر کے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے زنا کر لیا ہے، اس طرح جب چار مرتبہ ہو گیا تو نبی

اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں جنون ہے؟ عرض کیا: نہیں، ارشاد فرمایا: شادی کرلی ہے؟ عرض کیا: ہاں، یارسول اللہ! نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا: اسے لے جاؤ، رجم (سنگ سار) کرو۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حکم نبوت کے بعد ہم لوگوں نے انہیں رجم کیا، یہاں تک کہ وہ انتقال کرگئے، آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر خیر فرمایا اور نماز جنازہ بھی ادا فرمائی"۔

(مشکوٰۃ شریف، کتاب الحدود، ص:۳۱۱)

اقامت حد سے متعلق شریعت اسلامیہ کے بیان کردہ شرائط پر غور کرتے ہیں تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان قوانین اور اصول کے ذریعہ اسلام نے مفاسد کے سد باب اور پیش بندی کے لیے کتنا بلند کردار نبھایا ہے۔

گزشتہ سطور میں ہم نے بیان کردیا ہے کہ زنا کی حد اسی وقت جاری کردی جائے گی جب اقرار زانی یا شہادت سے اس کا ثبوت مل جائے، اسی پس منظر میں یہ بھی جان لیں کہ اگر کسی نے عورت پر زنا کی تہمت لگائی اور وہ زنا کو ثابت نہ کرسکا تو اس کی پاداش میں الزام لگانے والے کو اسّی کوڑے لگائے جائیں گے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کسی کی عزت و ناموس محفوظ نہ رہتی بلکہ جب بھی کوئی کسی سے بدلہ لینا چاہتا یا بدنام کرنا چاہتا تو اس پر یہ گھناؤنا الزام رکھ دیتا تو اسلام نے اپنے اس قانون کے ذریعہ اس مفسدہ کا سد باب کردیا۔ اس سلسلے میں ہم نے قرآن کی آیت مع ترجمہ وحوالہ ابتدا میں بیان کردی ہے جو "قذف محصنات" سے متعلق ہے اور اس کی حد کی وضاحت بھی کردی گئی ہے، اسی سے متعلق یہ دوسری آیت کریمہ پڑھ لیں اور غور کریں کہ ایسا کرنے والے پر کس قدر لعنت وملامت کی گئی اور عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡغٰفِلٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ لُعِنُوۡا فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِـرَۃِ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ. بے شک وہ جو عیب لگاتے ہیں انجان پارسا

ایمان والیوں کو، ان پر لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ (سورۂ نور، ۲۴۔ آیت: ۲۳)

لعان کا حکم بھی اسی مسئلہ سے تعلق رکھتا ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی پر جھوٹا الزام لگایا تو اس کے لیے لعان کا حکم جاری کیا گیا، یہ حکم بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے، قرآن مقدس میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

اللہ عز وجل ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ.

ترجمہ: اور وہ جو اپنی عورتوں کو عیب لگائیں اور ان کے پاس اپنے بیان کے سوا گواہ نہ ہوں تو ایسے کسی کی گواہی یہ ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کے نام سے کہ وہ سچا ہے اور پانچویں یہ کہ اللہ کی لعنت ہو اس پر اگر جھوٹا ہو اور عورت سے یوں سزا ٹل جائے گی کہ وہ اللہ کا نام لے کر چار بار گواہی دے کہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں یوں کہ عورت پر غضب اللہ کا اگر مرد سچا ہو۔

(سورۂ نور، ۲۴۔ آیت، ۶، ۷، ۸، ۹)

مفسر قرآن صدر الافاضل خلیفۂ امام احمد رضا علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ لعان سے متعلق تحت آیتِ مذکورہ تحریر فرماتے ہیں:

''جب مرد اپنی بی بی پر زنا کی تہمت لگائے تو اگر مرد و عورت دونوں شہادت کے اہل ہوں اور عورت اس پر مطالبہ کرے تو مرد پر لعان واجب ہو جاتا ہے، اگر وہ لعان سے انکار کرے تو اس کو اس وقت تک قید رکھا جائے گا جب تک

وہ لعان کرے یا اپنے جھوٹ کا مقر ہو، اگر جھوٹ کا اقرار کرے تو اس کو حد قذف لگائی جائے گی، جس کا بیان اوپر گزر چکا ہے اور اگر لعان کرنا چاہے تو اس کو چار مرتبہ اللہ کی قسم کے ساتھ کہنا ہوگا کہ وہ اس عورت پر زنا کا الزام لگانے میں سچا ہے اور پانچویں مرتبہ کہنا ہوگا کہ اللہ کی لعنت مجھ پر، اگر میں یہ الزام لگانے میں جھوٹا ہوں، اتنا کرنے کے بعد مرد پر سے حد قذف ساقط ہو جائے گی، اور عورت پر لعان واجب ہوگا، انکار کرے گی تو قید کی جائے گی یہاں تک کہ لعان منظور کرے یا شوہر کے الزام لگانے کی تصدیق کرے، اگر تصدیق کی تو عورت پر زنا کی حد لگائی جائے گی اور اگر لعان کرنا چاہے تو اس کو چار مرتبہ اللہ کی قسم کے ساتھ کہنا ہوگا کہ مرد اس پر زنا کی تہمت لگانے میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہنا ہوگا اگر مرد اس الزام لگانے میں سچا ہو تو مجھ پر خدا کا غضب ہو، اتنا کہنے کے بعد عورت سے زنا کی حد ساقط ہو جائے گی اور لعان کے بعد قاضی کے تفریق کرنے سے فرقت واقع ہوگی، بغیر اس کے نہیں اور یہ تفریق طلاق بائنہ ہوگی۔''

(تفسیر خزائن العرفان، ص:۶۳۱)

خلاصۂ کلام کے تحت ایک آخری بات نذر قارئین ہے، وہ یہ کہ کسی جرم پر حد اسی وقت جاری ہوگی جب اس جرم کا ثبوت مل جائے، گزشتہ سطور میں گزرا کہ زنا کا ثبوت اقرار زانی یا شہادت سے ہو جاتا ہے لیکن زنا اور دیگر جرائم میں فرق یہ ہے کہ اقرار زانی چار مرتبہ ہو اور شہادت چار آدمیوں کی ہو، یہ شرائط ثبوت زنا سے متعلق ہیں لیکن شراب نوشی اور چوری میں ثبوت کے لیے اتنی کڑی شرط ضروری نہیں بلکہ دو آدمیوں کی شہادت یا ایک مرتبہ اقرار کفایت کر جاتا ہے اور اس جرم کا ثبوت ہو جاتا ہے، تفسیر روح البیان میں ہے:

''وتثبت السرقة بما يثبت به شرب الخمر اى بالشهادة او بالاقرار مرة ونصابها رجلان''. یعنی جس طرح شہادت یا ایک مرتبہ اقرار سے شراب نوشی کا ثبوت حاصل ہو جاتا ہے ایسے ہی چوری کا ثبوت بھی ہو جائے

گا اور مذکورہ شہادت کا نصاب دو آدمی ہیں۔ (روح البیان عربی، ص:۳۹۲، ج:۲)

بہر حال اسلام نے جن چیزوں کی بجا آوری کا حکم دیا اس میں ہمارا، ہماری قوم کا بلکہ ساری انسانیت کا بھلا ہے اور جن چیزوں سے دور رہنے کا حکم دیا اس کی وجہ یہی ہے کہ اس میں ہمارا، قوم کا اور ساری انسانیت کا نقصان ہے۔ جرائم اور قبائح کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر جداگانہ ہے اور ان کے انسداد اور روک تھام کے لیے اس کا طریقۂ کار بھی الگ اور منفرد ہے، جیسا کہ مذکورہ ابحاث میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا۔

زنا کتنا گھناؤنا جرم ہے، اس کی سزا بھی از حد سنگین رکھی گئی اور اس کے اثبات کے لیے بہت سخت شرائط بھی رکھی گئیں، انگشت نمائی کرنے والوں کو حد قذف کا خوف دلایا گیا، چوں کہ زنا سے انسان کی عزت و آبرو متاثر ہوتی ہے، یہ عزت و ناموس انسان کے لیے متاع گراں بہا ہے اس کے لیے اس کے تحفظ کے لیے نہایت احتیاطی تدابیر اختیار کی گئیں اور ہر طرح سے مفاسد کا سد باب کر دیا گیا۔

شریعت اسلامیہ نے اقامت حدود میں تساہلی کو ناجائز قرار دیا ہے، کیوں کہ جہاں بھی اقامت حدود میں سستی اور لاپروائی برتی گئی جرائم میں ہوش ربا اضافہ ہوا، چوری، ڈکیتی کی واردات میں زیادتی ہوئی، اس لیے اسلام نے سزاؤں کا تعین کیا، اور حدود کے قائم کرنے میں سستی کرنے والوں کو سخت تنبیہ کی اور انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرایا، تاکہ پورے طور پر انسانی معاشرے کو جرائم سے خالی کرا لیا جائے اور امن و امان قائم ہو جائے۔ یہ ہے اسلام کا رنگ اور یہ ہے دنیا کو اسلام کی ضرورت۔

آئندہ اوراق میں ہم ان اسباب و عوامل و محرکات پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے جن کی وجہ سے جرائم وجود میں آتے ہیں اور بتائیں گے کہ ان اسباب کی روک تھام میں اسلام نے کتنا مؤثر اقدام کیا ہے۔

مفاسد کا سد باب

مذہب اسلام ایک جامع دستور حیات ہے، اس کے جملہ قوانین اپنی جامعیت، افادیت اور اثر انگیزی تینوں جہتوں سے گراں قدر ہیں، اس میں ذرہ بھر حرف گیری کی گنجائش نہیں، اس لیے انسداد جرائم کے لیے مذہب اسلام کی کوششیں نہ ادھوری ہیں اور نہ ہی غیر مؤثر، بلکہ اسلام نے اس مقصد کے لیے بھی ایک جامع دستور مرتب کیا اور ایسے منصوبے تیار کر لیے جن پر عمل کر لینے سے جرائم پر پورے طور سے کنٹرول حاصل کیا جا سکتا ہے۔

مذہب اسلام نے ان تمام امکانات کا خلاصہ کیا، ان تمام اسباب کا پتہ لگایا اور ان تمام عوامل کی نشان دہی کی جو ارتکاب جرائم کی بنیاد گزاری میں معاون بن سکتے ہیں۔

کسی نے کہا ہے کہ ''آگ لگا کر اسے بجھانے کی ناکام کوشش سے کیا ہی بہتر ہے کہ لگانے کی حماقت نہ کی جائے'' مذہب اسلام نے اس جہت سے بھی بڑا گراں قدر کارنامہ انجام دیا ہے اور ان تمام راستوں پر پہرہ بٹھا دیا ہے جو جرائم تک لے جانے والے ہیں۔ ذیل میں چند مثالوں کی روشنی میں ہم اپنی بات کو باوزن کرنے کی کوشش کریں گے۔

نگاہوں کی حفاظت:

اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسانی معاشرہ ہر طرح کی برائی اور بے حیائی سے پاک وصاف رہے ہر کوئی امن وسکون کے ساتھ اپنے اپنے حدود میں رہ کر حیات مستعار کے صبح وشام گزارے، بد اخلاقی، انارکی، بدعہدی اور دیگر برائیوں کا گزر بسر نہ ہونے پائے۔ اس لیے اسلام نے ان تمام

امکانات کا سد باب کر دیا ہے جو معاشرے کو تباہ و برباد کر سکتے ہیں اور انسانی اخلاق و کردار پر منفی اثر ڈال سکتے ہیں، انسانی سوسائٹی کے اندر بے حیائی کے پھیلنے میں بے پردگی اور بد نگاہی کا کافی دخل ہے، اسلام نے ان دونوں باتوں پر سخت حکم وارد کیا اور کڑی بندش کے ذریعہ اس کے ذریعہ ہونے والے دیگر جرائم کی روک تھام کی کوشش کی، اس لیے اسلام نے آوارگی اور فحاشی کو جڑ سے ختم کرنے کے لیے نگاہ کی حفاظت کا حکم دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ.

ترجمہ: مسلمان مردوں کو حکم دو، اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے بہت ستھرا ہے، بے شک اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے۔ (سورۂ نور، ۲۴۔ آیت: ۳۰)

نگاہوں اور شرم گاہوں کی حفاظت کا حکم نہ صرف مردوں کو دیا گیا بلکہ وضاحت کے ساتھ یہ دونوں باتیں عورتوں پر بھی لازم قرار دی گئیں، کیوں کہ بد نگاہی عورتوں کی جانب سے بھی باعث فتنہ ہے۔

قرآن حکیم میں ہے:

وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ .

ترجمہ: اور مومن عورتوں سے فرما دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ (سورۂ نور ۲۴۔ آیت: ۳۱)

قارئین کرام! آپ ذرا ان دونوں آیات میں غور کریں، مسلمان مرد و عورت دونوں کو نہ صرف اپنی نگاہوں اور شرم گاہوں کی حفاظت کا حکم دیا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ ایسا کرنا تمہارے لیے انتہائی مفید ہے اور پاکیزگی کی علامت بھی، پھر اس کے بعد "ان اللہ خبیر بما تصنعون" سے تنبیہ فرما دی کہ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یہ نہ سمجھنا کہ ہم تمہاری حکم عدولی کی کوئی خبر نہیں رکھتے، بلکہ

تمہارے ہر اچھے، برے کام ہر وقت ہماری نگاہ قدرت کے سامنے رہتے ہیں۔
مشکوٰۃ شریف میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:

انها كانت عند رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وميمونة اذا قبل ابن ام مكتوم فدخل عليه فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: احتجبا منه، فقلت يارسول الله! اليس هو اعمى؟ لايبصرنا، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: افعميا وان انتما الستما تبصرا نه (رواه احمد والترمذى وابو داؤد).

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور میمونہ بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر تھیں، اتنے میں ابن ام مکتوم حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ اس سے پردہ کرو، تو میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا ابن ام مکتوم نابینا نہیں، وہ ہمیں دیکھ نہیں پاتے، آپ نے ارشاد فرمایا: کیا تم دونوں بھی اندھی ہو، انہیں دیکھ نہیں پاتی۔ (مشکوٰۃ شریف، ص:۲۶۹)

پردے کا حکم:

مذہب اسلام نے نہ صرف نگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا بلکہ عورتوں کو پردے کا حکم دے کر ان کی عزت وآبرو کو محفوظ کر دیا اور بے پردہ رہنے والی عورتوں کو سخت تنبیہ کی اور انہیں عذاب اخروی سے ڈرایا۔ بے پردگی ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے ذریعہ شیطان نوجوانوں کو دعوت مشاہدہ دیتا ہے اور ان کے دلوں میں گناہ کی خواہش پیدا ہوتی ہے اس لیے اسلام نے بے پردہ گھروں سے باہر نکلنے والی عورتوں اور مردوں جیسا لباس زیب تن کرنے والی لڑکیوں پر سخت لعنت وملامت فرمائی۔

بخاری شریف میں ہے:

لعن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال. یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسے مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔
(بخاری شریف، ص:۸۷۴، ج:۲)

مشکوٰۃ شریف میں ہے:

لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ، جو دیکھے اور جس کو دیکھے دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔(مشکوٰۃ شریف، ص:۲۷۰، ج:۱)

عورت کے متعلق تو رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہاں تک ارشاد فرماتے ہیں:

شراب گناہوں کی جامع ہے اور عورتیں شیطان کی رسّیاں ہیں۔
(مرأۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ص:۴۳، ج:۷)

ترمذی شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

المرأۃ عورۃ فاذاخرجت استشرفھا الشیطان. عورت مکمل چھپانے کی چیز ہے، جب کوئی عورت باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانک جھانک کر دیکھتا ہے۔(ترمذی شریف، ص:۲۲۲)

اس لیے مذہب اسلام نے بے پردگی اور بدنگاہی پر سخت پابندی عائد کردی کیوں کہ یہ دونوں زنا کے دواعی میں سے ہیں، جب ایک نوجوان بے پردہ عورت پر نگاہ بد ڈالے گا تو زنا کی خواہش اس کے دل میں ابھرے گی اور وہ اس گھناؤنے جرم کا ارتکاب کرسکتا ہے لیکن جب دواعی واسباب پر پابندی لگ گئی تو اب اس جرم قبیح کا خیال ہی دل میں نہیں آئے گا، اسی لیے تو اللہ عزوجل نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا:

وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِیْلًا.

ترجمہ: اور بدکاری کے پاس نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی ہے اور بہت ہی

بری راہ۔(سورۂ اسراء ۱۷۔آیت:۳۲)

یعنی اس فعلِ بد سے ہمارا روکنا صرف اور صرف تمہارے فائدے کے لیے ہے، تمہاری مسرتوں کو چھیننا اور تمہارے ارمانوں کا خون کرنا ہمارا مقصد نہیں ہے، اس آیت مقدسہ میں زنا کے قریب بھی جانے سے منع کردیا گیا ہے۔ کیوں کہ یہ فعل مجسم بے حیائی ہے، اگر تم اس کے مرتکب ہوگے تو شرم وحیا اور غیرت کی قوت کمزور پڑ جائے گی پھر اگر یہ فعل بد کوئی دوسرا تمہاری بیوی، بہن کے ساتھ کرے گا تو تم اس کام کو کوئی اہمیت نہ دو گے، اس لیے تم اس کے قریب بھی نہ پھٹکو تاکہ تمہارے دلوں میں بے شرمی اور بے حیائی داخل نہ ہونے پائے اور تمہاری غیرتوں کا جنازہ نہ نکلے، اب تم اس جرم عظیم کے حوالے سے بڑے حساس اور خبردار ہوگے۔

اس مقام پر جی چاہتا ہے کہ وہ واقعہ جو عہد نبوی میں صحابہ کرام اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں پیش آیا تھا درج کردوں اور اس اسلوب نبوت کے معجزاتی پہلوؤں کی نشان دہی کا ذمہ قارئین پر چھوڑتا ہوں۔

''ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں قبیلہ قریش کا ایک نوجوان حاضر ہوا اس وقت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سراپا ادب بنے ہوئے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بزم آرا تھے، وہ نوجوان جو عنفوان شباب کے عالم میں تھا یوں عرض گزار ہوا:

''یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں آپ کا ہر حکم مانوں گا، مگر آپ مجھے ایک گناہ کی اجازت دے دیں کہ میں یہ گناہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا کہ وہ کون سا گناہ ہے تو وہ نوجوان کہنے لگا کہ حضور! مجھے بدکاری کی اجازت دے دیں، اس لیے کہ اسے چھوڑنا میرے بس کی بات نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس قریشی نوجوان کو اپنے قریب کرلیا اور بڑی شفقت سے نرم لہجے میں پوچھا: اے بیٹے! بتا یہ جرم جس کی

تو نے مجھ سے اجازت مانگی ہے کس سے کرنے کا ارادہ ہے؟ کیا تو ایسا اپنی ماں سے کرے گا؟

اس نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہرگز نہیں، کیا کوئی اپنی ماں سے بھی ایسا ارادہ کرسکتا ہے؟

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، تو نے سچ کہا، تو پھر کیا اپنی بہن سے ایسا ارادہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا: ”نہیں، کیا کوئی اپنی بہن سے یہ حرکت کرسکتا ہے؟

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، تو نے سچ کہا: پھر آپ نے چچی، پھوپھی، خالہ اور جتنے بھی محرم رشتے ہوسکتے تھے سب گنوا دیے اور وہ ہر ایک کے بارے میں انکار کرتا رہا۔

آپ نے فرمایا: کہ تو جس سے زنا کرے گا آخر وہ بھی کسی کی ماں یا بیٹی یا بہن یا پھوپھی یا خالہ ہوگی یعنی جو بات اپنے لیے پسند نہیں کرتا دوسرے کے لیے کیوں پسند کرتا ہے۔

پھر دست اقدس اس کے سینے پر مار کر دعا فرمائی کہ الٰہی! زنا کی محبت اس کے دل سے نکال دے۔

وہ نوجوان کہتا ہے: جب میں حاضر ہوا تھا تو زنا سے زیادہ محبوب میرے نزدیک کوئی چیز نہ تھی اور اب اس سے زیادہ کوئی چیز مجھے مبغوض (ناپسندیدہ) نہیں“۔ (تفسیر ابن کثیر، ص: ۳۸، ج: ۳، مسند احمد بن حنبل ۲۵۶، ج: ۵)

قارئین! اس موقع پر کوئی زاہد خشک، اور مبلغ محض ہوتا تو اسے جھڑک دیتا کہ ظالم تو نے کیا بات کہہ دی، لیکن مصلح اعظم سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس محبت اور نصیحت بھرے اسلوب میں اس کی اصلاح فرمائی کہ اس کے ذہن میں اس جرم عظیم کی قباحت بھی آگئی اور اس کی اصلاح بھی ہوگئی۔

قارئین کرام! ذرا قرآن مقدس کے اس اعلان کو ملاحظہ فرمائیں، کس قدر بلیغ انداز میں عورتوں کے گوہر عفت کے تحفظ کے لیے انہیں پردے میں رہنے کا حکم دے رہا ہے اور بے پردگی سے روک رہا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا.

ترجمہ: اے نبی! اپنی بی بیوں اور صاحب زادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرمادو کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالیں رہیں، یہ اس سے نزدیک تر ہے کہ ان کی پہچان ہو تو ستائی نہ جائیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(سورۂ احزاب ۳۳۔ آیت: ۵۹)

دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى. اور بے پردہ نہ رہو، جیسے اگلی جاہلیت کی بے پردگی۔ (سورۂ احزاب ۳۳۔ آیت: ۳۳)

مفسر شہیر علامہ صدر الافاضل قدس سرہ مذکورہ آیت کریمہ کے تحت رقم طراز ہیں:

''اگلی جاہلیت سے مراد قبل اسلام کا زمانہ ہے، اس زمانے میں عورتیں اتراتی نکلتی تھیں، اپنی زینت ومحاسن کا اظہار کرتی تھیں کہ غیر مرد دیکھیں، لباس ایسے ایسے پہنتی تھیں جن سے جسم کے اعضا اچھی طرح نہ ڈھکیں''۔

(تفسیر خزائن العرفان، ص: ۷۶۰)

مذہب اسلام نے عورتوں کو بازاروں، گلیوں میں بے پردہ آنے جانے اور بناؤ سنگھار دکھانے سے منع فرما کر نہ صرف عورتوں کی آبرو و ناموس کی حفاظت فرمائی بلکہ زنا جیسے قبیح جرم کا سد باب بھی فرما دیا۔

مسلمان عورتوں کو نہ صرف پردے میں رہنے کا حکم دیا گیا بلکہ یہ بھی فرمایا گیا کہ تم اپنی نگاہوں اور شرم گاہوں کی حفاظت کرو اور اپنے اپنے گھروں میں ٹھہری رہو، بلاضرورت باہر قدم نہ رکھو اور اگر ضرورت آن پڑے تو پاؤں زور سے زمین پر رکھ کر نہ چلو کہ اس سے پازیب کی جھنکار گونجے گی اور غیروں کی نگاہیں تمہاری طرف متوجہ ہوں گی۔

ارشاد ربانی ہے:

وَلَا يَضۡرِبۡنَ بِاَرۡجُلِهِنَّ لِيُعۡلَمَ مَا يُخۡفِيۡنَ مِنۡ زِيۡنَتِهِنَّ. اور زمین پر پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ جانا جائے ان کا چھپا ہوا سنگار۔

(سورۂ نور، ۲۴۔ آیت: ۳۱)

صاحب خزائن العرفان "تفسیرات احمدیہ" کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

"یعنی عورتیں گھر کے اندر چلنے پھرنے میں بھی پاؤں اس قدر آہستہ رکھیں کہ ان کے زیور کی جھنکار نہ سنی جائے، اسی لیے چاہیے کہ عورتیں باجے دار جھانجھیں نہ پہنیں، حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم کی دعا نہیں قبول فرماتا جن کی عورتیں جھانجھیں پہنتی ہوں، اس سے سمجھنا چاہیے کہ جب زیور کی آواز عدم قبول دعا کا سبب ہے تو خاص عورت کی آواز اور اس کی بے پردگی کیسی موجب غضب الٰہی ہوگی، پردے کی طرف سے بے پروائی تباہی کا سبب ہے"۔

(اللہ کی پناہ) (تفسیر خزائن العرفان، ص: ۶۳۷)

اس طرح ستر پوشی اور پردے کا واجبی حکم دے کر مذہب اسلام نے تباہی کے راستوں پر بند باندھ دیا ہے، اس لیے جس معاشرے میں بے پردگی عام ہے، عورتیں آزادانہ طور پر اپنے حسن وجوانی کا مظاہرہ کرتی ہیں وہاں جنسی جرائم کا گراف کافی اونچا ہے اور سوسائٹی بے آبروئی کی شکار ہے۔ اس لیے سنجیدہ ذہنوں کو اس مسئلے پر سوچنا چاہیے۔

اجنبیہ سے خلوت:

صرف یہی نہیں بلکہ زنا کی روک تھام کے لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجنبی

عورتوں کے ساتھ خلوت میں رہنے سے سخت ممانعت فرمائی ہے بلکہ آپ نے تو یہاں تک ارشاد فرمادیا ہے کہ جب دو اجنبی مرد و عورت تنہائی میں اکٹھا ہوتے ہیں تو ان میں کا تیسرا شیطان ہوتا ہے۔(مشکوٰۃ،ص:۵۵۴)

درمختار میں ہے:

"الخلوة بالاجنبية حرام." "اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں رہنا حرام ہے۔ (درمختار ص:۵۲۹،ج:۹،بیروت،لبنان)

شریعت اسلامیہ کے اس حکم صریح کے اندرون میں کس قدر جہان معنی پوشیدہ ہے یہ کسی دانش ور کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔اس پس منظر میں کالج اور عصری دانش گاہوں کی مخلوط تعلیم کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، جہاں نوجوان لڑکے، لڑکیوں کو بالکل آزادانہ ماحول میں رہنے کا موقع ملتا ہے اور گفت وشنید سے لے کر جنسی تعلقات کو عیب نہیں گردانا جاتا۔جس کے منفی اثرات معاشرے میں ہر چہار جانب دیکھے جاسکتے ہیں۔

غیرمحرم کے ساتھ سفر:

اسی مقصد عظیم کے پیش نظر ہادیِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں کے لیے غیرمحرم کے ساتھ تین دن سے زائد سفر کی ممانعت فرمادی اور محرم ہی کے ساتھ ان کے سفر کو لازم کردیا، حتیٰ کہ بغیر محرم کے عورت فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے بھی نہیں جاسکتی۔

بخاری شریف میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لاتسافر المرأة ثلاثة ايام الا مع ذی محرم. کوئی عورت تین دن کا سفر اپنے محرم کے ساتھ ہی کرسکتی ہے۔(بخاری، جلد اول، ص:۱۴۷)

بلا اجازت دوسروں کے گھر میں داخل ہونے کی ممانعت:

ستر پوشی اور عیب پوشی کے لیے شریعت اسلامیہ نے اپنے ماننے والوں کو ایک اور قانون عطا فرمایا اور وہ یہ ہے کہ کسی سے ملاقات کے لیے اس کے گھر جانے کی ضرورت پیش آجائے تو مکان پر پہنچنے کے بعد اس کے دروازے سے بغیر صاحب مکان کی اجازت کے اندر نہ جاؤ بلکہ اندر آنے

کے لیے پہلے اس کو خبر دو، اجازت ملے تو اندر داخل ہو، ورنہ نہیں۔

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ.

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ، جب تک اجازت نہ لے لو اور ان کے ساکنوں پر سلام نہ کرلو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم دھیان دو۔ (سورۂ نور ۲۴۔ آیت: ۲۷)

اس آیت مقدسہ سے صاف معلوم پڑتا ہے کہ دوسروں کے گھروں میں جانے سے پہلے دروازے پر کھڑے ہوکر اندر آنے کی اجازت طلب کرلے، صاحب مکان سے ملاقات ہوجائے تو پہلے سلام کرے پھر اجازت مانگے اور اگر وہ مکان کے اندر ہو تو سلام کے ساتھ اجازت مانگے، اجازت مل جانے کی صورت میں اندر جائے ورنہ نہیں، کیوں کہ بلا اجازت اور بغیر خبردار کیے اندر جانے کی صورت میں گھر کے اندر موجود مستورات پر نظر پڑ سکتی ہے یا ان کی زینت کی جگہیں نظر آسکتی ہیں، اس لیے اس حکم پر عمل کرنے کی صورت میں ستر اور عیب پر اطلاع کا اندیشہ ہی ختم ہوجائے گا، اجازت طلب کرلینے کا یہ حکم اس حد تک سخت ہے کہ حدیث شریف میں ہے اگر گھر میں ماں ہو جب بھی اجازت طلب کرے، مذہب اسلام نے کس قدر احتیاط کا حکم دیا اور کتنے انوکھے انداز میں مفاسد کا دروازہ ہی بند کردیا۔

ان مذکورہ احکامات کی حقیقت پر غور کرنے سے یہ عقدہ حل ہوجاتا ہے کہ شریعت اسلامیہ نے ان تمام امکانات پر پہرے بٹھا دیے ہیں اور ان تمام دواعی کو ختم کردیا ہے جو بے حیائی اور فحاشی کا باعث ہوسکتے ہیں۔

نگاہوں کی حفاظت، شرم گاہوں کی حفاظت، نگاہیں نیچی کرکے چلنے کا حکم، گھر اور گھر کے باہر پردے کا اہتمام اور بے پردگی کی ممانعت، اجنبی عورتوں کے ساتھ خلوت میں جانے کی ممانعت، گھر کے اندر اور باہر پاؤں زور سے زمین پر رکھ کر چلنے کی ممانعت اور بلا اجازت دوسروں کے گھر

میں داخل ہونے کی ممانعت ، یہ سب ایسے دانش مندانہ اور محکم احکامات ہیں جن کی وجہ سے مفاسد کا قلع قمع بھی ہو جائے گا اور ایک انسان زنا کاری جیسے گھناؤنے جرم کا مرتکب نہ ہوگا اور اگر ارتکاب کا ارادہ کر ہی لیا تو اس کے سامنے کوڑے مارے جانے یا سنگ سار کیے جانے کا حکم موجود ہوگا تو حد کے جاری ہونے کے خوف سے وہ اپنے آپ کو اس جرم سے بچالے گا۔

جرم اور فکر آخرت:

مذہب اسلام نے انسانی زندگی کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے، اول دنیا کی زندگی، دوم قبر کی زندگی اور سوم آخرت کی زندگی۔ اور ان تینوں زندگیوں کے لیے رہنما اصول بھی عطا فرمائے تاکہ ان پر عمل کر کے ایک مرد مومن کامیابی سے ہم کنار ہو جائے۔ ذرا غور فرمائیں کہ ان تینوں میں سب سے لمبی زندگی آخرت کی زندگی ہے پھر قبر کی زندگی کا وقت زیادہ ہے، اور سب سے کم وقت دنیا کی زندگی کے لیے دیا گیا ہے، لیکن ان سب زندگیوں کی تیاری ہمیں دنیاوی زندگی ہی میں کرنی ہے، قبر کی تیاری، آخرت کے حساب و کتاب کی تیاری اس دنیا میں مکمل کر لینی ہے، اگر تیاری میں ہم نے ذرہ بھر سستی اور کاہلی برتی تو قبر اور آخرت کے عذاب کے لیے تیار رہنا ہوگا۔

قبر کا عذاب، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے، حشر و نشر اور حساب و کتاب کی تصدیق تو اسلامی عقیدے میں شامل ہے، یعنی اسلام نے اپنے ماننے والوں کو یہ ذہن دیا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ دنیا میں جرم کا ارتکاب کر کے اگر کسی طرح اپنے آپ کو سزا سے بھی بچالیا تو آخرت کے حساب و کتاب اور جواب دہی سے بچ جاؤ گے، بلکہ اپنے کیے کی سزا تمھیں مل کر رہے گی۔ اور تم اپنے رب کے حضور اپنے تمام اعمال کے جواب دہ ہو گے۔

ہوسکتا ہے کوئی شخص جرم کا ارتکاب کرتا جائے اور تمام ثبوت مٹاتا جائے یعنی اتنی ہوشیاری سے وہ جرائم انجام دے کہ اس کو ثابت نہ کیا جاسکے تو دنیا میں وہ حدود یا قصاص یا تعزیر سے اپنے آپ کو تو بچالے جائے گا، لیکن جب آخرت کی یاد ستائے گی اور اسے یہ فکر ہوگی کہ ہمیں اس جرم کی سزا آخرت میں ضرور دی جائے گی تو وہ اپنے آپ کو جرم کے ارتکاب سے روک دے گا۔

اللہ عزوجل تصور آخرت سے متعلق ارشاد فرماتا ہے:

وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ. اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہو سکے گی اور نہ (کافر کے لیے) کوئی سفارش مانی جائے۔ (سورۂ بقرہ ۲۔ آیت: ۴۸)

خدا تو دیکھ رہا ہے:

تمام مسلمانوں کو اس بات پر یقین رکھنا لازمی ہے کہ اللہ عزوجل سمیع وبصیر ہے، ہر وقت ہر لمحے نگاہ قدرت ہمیں دیکھ رہی ہے، ہمارا کوئی کام اس کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں، بلکہ وہ تو ہمارے قلبی احساسات اور دلی خیالات تک سے آگاہ ہے، اگر ہم نے گھر کی چہار دیواری میں ہزاروں پردوں کے پیچھے کوئی جرم انجام دیا تو اللہ عزوجل ہمیں وہاں بھی دیکھ رہا ہے اور ہمارا یہ کام خدائے وحدہ لاشریک پر راز نہیں ہے، اس لیے وہ ہمارے ہر عمل کا حساب ضرور لے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰی عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ. اللہ پر کچھ چھپا نہیں زمین میں، نہ آسمان میں۔ (سورۂ آل عمران ۳۔ آیت: ۵)

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَاشَآءَ. جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے اور وہ نہیں پائے اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے۔ (سورۂ بقرہ ۲۔ آیت ۲۵۵)

اور جیسے یہ آیت کریمہ:

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ. اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں۔ (سورۂ بقرہ ۲۔ آیت: ۱۴۹)

یہ تصور اتنا اثر انگیز ہے کہ ایک انسان اس سے کانپ جاتا ہے کہ اس کو خدا کے حضور جواب دہ ہونا ہے، وہ کسی قدر تنہائی اور پوشیدگی میں رہ کر بھی کوئی کام کرتا ہے اچھا یا بُرا، اس کا خدا اسے دیکھ رہا ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے گا اور خدا عزوجل اس بندے سے اس کے اعمال کے

بارے میں پوچھے گا، وہ کس منہ سے اپنے خدا کا سامنا کرے گا؟

طالب علم اور شہزادی: خدا کے حضور جواب دہی کا یہ تصور جس قدر پختہ ہوگا، بندہ گناہوں اور جرائم سے اسی حد تک محفوظ رہے گا۔ اس مقام پر جی چاہتا ہے کہ ایک طالب علم کی فکر آخرت کا وہ واقعہ نذر قارئین کردوں جو اسی ہندوستان کی سرزمین پر پیش آیا تھا کہ وہ طالب علم گناہ کا خیال آتے ہی آخرت کی جواب دہی سے کانپ جاتا ہے اور پھر وہ کام کر گزرتا ہے جو ایک تاریخ بن جاتا ہے، اس پورے واقعے کو علامہ محمد منشا تابش قصوری نے اپنی کتاب ''نورانی حکایات'' میں تحریر فرمایا ہے، انہیں کے الفاظ میں وہ پورا واقعہ پیش خدمت ہے:

''حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمرالدین سیالوی فرماتے ہیں:

جہانگیر کے زمانہ میں مولانا عبدالحکیم سیال کوٹی کے علمی مدارس کا چرچا دور دور تک تھا، مولانا کے شاگردوں کی نیک نیتی اور حسن سیرت اعلیٰ پیمانے کی تھی، چناں چہ ایک دفعہ شاہی مستورات حضوری باغ میں کسی تاریخی تقریب میں آئیں۔ حضوری باغ شاہی قلعے کے سامنے تھا، اور ہر سال ایک تاریخ مقررہ پر اس باغ میں رات کے وقت مستورات شاہی محل سے آتیں اور سیر وتفریح کی غرض سے چند گھنٹوں بعد چلی جاتی تھیں، اسی باغ کے اندرونی جانب طلبا کے کمروں کی لائن تھی، اس وقت طلبا اور دیگر ہر قسم کے مردوں کو باہر جانے کا حکم ہوگیا اور سب چلے گئے، معمول کے مطابق مستورات اندر آگئیں اور سیر وتفریح کے لیے باغ میں مقررہ وقت گزارا، بادشاہ کی ایک لڑکی نیک طینت اور صوفیانہ مزاج رکھتی تھی، اس نے جب واپسی میں چند منٹ باقی تھے نماز کی نیت باندھ لی تاکہ کچھ نفل یہاں بھی پڑھ لے۔

واپسی کی نوبت (نقارہ) نماز پڑھتے ہوئے بج گئی، لیکن اسے معلوم نہ ہوا اور اس کی دو خاص خادمہ بھی یہ سمجھیں کہ شاید شہزادی واپس چلی گئی ہیں، اس خیال سے وہ بھی جلد دوسری مستورات کے ساتھ نکل گئیں، نوبت بجتے ہی تمام

طلبا اپنے اپنے کمروں میں آ گئے اور گیٹ بند کر دیا گیا، کیوں کہ رات کو گیٹ بند رہتا تھا، لیکن لڑکی نماز سے فارغ ہو کر جب گیٹ پر پہنچی تو اسے بند پایا، بہت گھبرائی، چوں کہ سردی کا موسم اور شاہی مزاج تھا، حیرانگی کے عالم میں ٹھٹھرتی ہوئی محفوظ جگہ کی تلاش میں پھرنے لگی، گیٹ کے قریب ہی کمرے میں طالب علم مٹی کے دِیے کی لَو میں مطالعہ کر رہا تھا، طالب علم اسے سردی سے کانپتا ہوا دیکھ کر سمجھ گیا کہ شاہی محلات کی کوئی حسین و جمیل لڑکی باہر رہ گئی ہے اور اضطراب کے عالم میں ہے۔

طالب علم کتابوں والی تر پائی اور چراغ وغیرہ اٹھا کر باہر برآمدہ میں آ گیا اور اشارہ سے لڑکی کو کہا کہ کمرہ تمہارے لیے خالی ہے اور درویشانہ بستر میں سردی سے امن حاصل کرو۔ لڑکی سردی کی وجہ سے فوراً اندر چلی گئی، طالب علم چراغ پر مطالعہ کر رہا تھا کہ دل میں شیطانی وسوسہ پیدا ہوا کہ ایک حسین و جمیل لڑکی تنہائی میں تیرے پاس موجود ہے، کم از کم اس سے کوئی نہ کوئی بات چیت تو کر لے، لیکن دوسری طرف خوف خدا کے تحت یہ خیال آیا۔ اگر فعل شنیع کا ارتکاب ہو گیا تو اس کی سزا جہنم کی آگ کون برداشت کرے گا۔

تو پھر دل میں سوچا کہ پہلے انگلی کو دیے پر رکھ کر اس پر آزمائش کر لی جائے، اگر انگلی نے برداشت کر لیا تو پھر مزید کام کروں گا، اس خیال سے اپنی انگلی دیے پر رکھی اور انگلی جلانے لگا۔ اندر سے لڑکی بھی یہ ماجرا دیکھ رہی تھی، جب تمام انگلی جل گئی اور درد برداشت سے باہر ہو گیا تو دل میں کہنے لگا کہ یہ عذاب برداشت نہیں ہوگا، لہٰذا بدکاری سے باز رہنا بہتر ہے۔ کچھ دیر آرام کیا تو پھر وہی وسوسہ دل میں پیدا ہوا، پھر اس نے دوسری انگلی دیے میں جلا دی، پھر کچھ دیر بعد تیسری، چوتھی اور پانچویں انگلی کو جلا دیا کہ اس نے موقع پانے کے باوجود بدکاری سے بچنے کے لیے ایک ایک کر کے اپنی انگلیاں جلانا شروع کر دیں۔

یہ تمام ماجرا لڑکی بھی دیکھتی رہی، اتنے میں تلاش کرنے والے آدمی بھی پہنچ گئے اور انہوں نے طالب علم سے شہزادی کے متعلق پوچھا تو اس نے اندر اشارہ کیا، انہوں نے لڑکی کو سر کے بالوں سے پکڑ کر دو طمانچے لگا دیے اور برا بھلا کہتے ہوئے نہایت بے دردی کے ساتھ گھر لے گئے۔

شاہی محلات میں کہرام مچ گیا کہ شہزادی طالب علم کے کمرے سے نکالی گئی ہے، جس کی وجہ سے والدہ نے بھی اسے ماتھے نہ لگایا، صبح جب دربار سجایا گیا تو سب سے پہلے یہ ماجرا جہانگیر کے سامنے پیش ہوا۔

جہانگیر نے لڑکی کو حکم دیا کہ تو اپنی سزا خود تجویز کر لے، لڑکی نے جواب دیا، بتاؤ، مجھے کس جرم کی سزا دیتے ہو، پہلے جرم ثابت کرو، پھر جو چاہو سزا دے دینا۔ بادشاہ نے کہا، ثبوت کی کوئی ضرورت نہیں، کیوں کہ تجھے ایسی حالت میں لایا گیا ہے کہ ہر خاص و عام میں تیری بدکاری کی شہرت ہو چکی ہے۔

شہزادی نے کہا: میں اپنی پاک دامنی عفت و عصمت میں دو ثبوت پیش کر سکتی ہوں۔ اول میری دونوں خادماؤں سے پوچھیے، کیا وہ مجھے نماز کی حالت میں چھوڑ کر گئی تھیں یا میں خود آنکھ بچا کر کہیں گئی تھی، اگر انہوں نے مجھے اس حالت میں چھوڑا تو پھر میرا کیا قصور ہے؟

دوم اس طالب علم کا شیطانی حملہ سے بچنے کے لیے تمام انگلیوں کو جلا دینا میری اور اس کی پاک دامنی کا بین ثبوت ہے، لڑکی کے اس ثبوت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت عقل مند تھی، طالب علم کے انگلیاں جلانے والے معاملے کو سمجھ گئی تھی کہ وہ نفس پر قابو پانے کے لیے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالے ہوئے تھا، تاکہ وہ فعل شنیع سے بچ جائے۔

جب طالب علم کو شاہی دربار میں بلا کر انگلیاں جلانے کا حال پوچھا گیا تو طالب علم نے تمام واقعات سچ سچ بیان کر دیے اور شہزادی کی پاک دامنی روز

روشن کی طرح ثابت ہوگئی۔

ان کی ایمان داری پر آفریں کہتے ہوئے بادشاہ نے انہیں معاف کر دیا‘‘

(سبحان اللہ! ایسے طلبا اور نیک طینت لڑکیاں اس وقت موجود تھیں)

(نورانی حکایات، مطبوعہ: ممبئی، ص:۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸)

قارئین کرام! ’’خدا تو دیکھ رہا ہے‘‘ یہ تصور ایک ایسا اثر انگیز نسخہ لازوال ہے جو ہر برائی اور بے حیائی کے سد باب میں اہم کردار ادا کرتا ہے، اسی طرح جہنم کی آگ کا خیال نفس انسانی کو قابو میں کر لینے کا بہترین ذریعہ اور قابل قدر طریقہ ہے۔ یہ سب کچھ اسلام کا دیا ہوا ہے۔

نفس کو قابو میں رکھو:

دنیا کے اندر ظلم کے فروغ اور جرائم میں اضافے کی ایک وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے خالق کی اطاعت سے بے نیاز ہو کر رہ گیا اور اس کا نفس پورے طور پر اسے اپنے کنٹرول میں رکھے ہوئے ہے، ایک انسان جب نفس کا غلام بن جاتا ہے اور خواہش نفسانی اس پر حاوی ہو جاتی ہے تو جرم کا ارتکاب اسے عیب نہیں لگتا، اس لیے اسلام اور شریعت اسلامیہ نے اپنے ماننے والوں کو حکم دیا کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں اور کسی بھی حال میں خدا کی اطاعت سے بے نیاز نہ ہوں، قرآن مقدس نے نفس کی تین واضح قسمیں بیان کی ہیں، ایک نفس مطمئنہ، دوم نفس لوّامہ، سوم نفس امّارہ۔ ارشاد ربانی ہے:

(۱) يَآيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ . اے اطمینان والی جان۔

(سورہ فجر ۸۹۔ آیت:۲۷)

(۲) وَ لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ . اور اس جان کی قسم جو اپنے اوپر بہت ملامت کرے۔ (سورہ قیامت، آیت:۷۵۔۲)

(۳) اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ . بیشک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے۔ (سورۂ یوسف ۱۲۔ آیت:۵۳)

ان آیات قرآنیہ میں ایک انسان کے اندر موجود تینوں نفوس کا تذکرہ کیا گیا ہے، پہلی آیت

میں نفس سے مراد روح قلب اور مطلق روح ہے کہ جب یہ ذکر الٰہی سے پاک وصاف ہو جاتا ہے اور شہوات مذمومہ اور صفات مذمومہ مٹ جاتے ہیں تو اسے نفس مطمئنہ بولتے ہیں۔

انسان کے اندر ایک نفس ایسا بھی ہوتا ہے جو اس کے جرم ومعاصی پر ملامت کرتا ہے، نہ تو اس کی طرف جھکتا ہے اور نہ ان سے خوش ہوتا ہے دوسری آیت میں یہی نفس مراد ہے۔

اور وہ نفس جو کسی حالت میں بھلائی کا حکم نہیں دیتا اور بُرائی پر ملامت نہیں کرتا اسے نفس امارہ کہتے ہیں، تیسری آیت سے یہی نفس امارہ مراد ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمہ خلاصۂ احیاء العلوم ''المرشد الامین'' میں فرماتے ہیں:

''یہ (یعنی نفس امارہ) نفس کا سب سے پست ترین درجہ ہے اور مطمئنہ بلند ترین، لوامہ ان دونوں کے درمیان ہے، وہ برائی کو پسند نہیں کرتا، نہ اس کی طرف مائل ہوتا ہے اور نہ مطمئن رہ سکتا ہے کہ بھلائی یعنی ذکر الٰہی سے مطمئن ہو جائے۔'' (المرشد الامین، مترجم، ص: ۱۴۵، مطبوعہ نئی دہلی)

آیت نمبر دو کی تفسیر میں امام صاوی علیہ الرحمہ ''حاشیہ جلالین'' میں فرماتے ہیں: (ترجمہ)

''اور میں ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں، جو اپنے آپ کو ملامت کرے اور نیکیاں کرنے کی کوشش کرے، اور صوفیا نے نفس کی سات اقسام بیان کی ہیں: **پہلی قسم**: نفس امارہ۔ یہ نفوس کفار ہیں اور جو ان کی پیروی کرے وہ بھی انہی میں سے ہے۔ **دوسری قسم**: نفس لوامہ۔ اس سے مراد ضمیر یا دل کی وہ آواز ہے جو برائی کے ارتکاب پر انسان کو ملامت کرتی ہے، اور یہ نیکی کی ابتدا ہے اور ترقی کی اصل ہے۔ **تیسری قسم**: نفس ملہمہ۔ اللہ کی قدرت سے نفس میں ایسا شعور پیدا ہو جانا جس کے باعث وہ کسی کام کو کرنے یا ترک کرنے کا شعور حاصل کر سکے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب یہ آیت پڑھی: **فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰاهَا**. تو اس وقت یہ دعا مانگی: **اللھم آت نفسی تقواها وزکها انت**

خیر من زکّٰھا انت ولیھا و مولٰھا. الٰہی! میرے نفس کو تقویٰ عطا فرما۔ تو اس کو پاک فرما تو بہترین پاک فرمانے والا ہے اور تو ہی اس کا مالک و پروردگار ہے۔ **چوتھی قسم**: نفس مطمئنہ۔ وہ نفس جو اللہ کی اطاعت میں مطمئن ہے۔ **پانچویں قسم**: نفس راضیہ۔ وہ نفس جو ہر حال میں اللہ کی رضا پر راضی رہتا ہے۔ **چھٹی قسم**: نفس مرضیہ۔ وہ نفس جس نے اللہ کی رضا حاصل کر لی ہو کیوں کہ جو اللہ سے راضی ہوتا ہے اللہ رب العزت اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ **ساتویں قسم**: نفس کاملہ۔ اور یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ نفس کی یہ تمام اقسام قرآن کریم سے ماخوذ ہیں''۔ (حاشیہ صاوی، ج:۶،ص ۲۲۷۶)

خوف الٰہی کی تعلیم:

خوف الٰہی یعنی خالص اللہ عز وجل سے ڈرنا، ایک ایسی روحانی طاقت کا نام ہے کہ جس دل میں یہ قوت پہنچ جاتی ہے وہ دنیا کی ہر طاقت وقوت سے بے خوف ہو جاتا ہے، جسے خشیت ربانی کا جوہر مل گیا وہ کسی سے مرعوب نہیں ہو سکتا اور کوئی طاقت بشری اسے زیر نہیں کر سکتی۔ خوف الٰہی تمام مشکلات کا حل ہے، خوف الٰہی اطمینان قلب کا بہترین نسخہ ہے، خوف الٰہی گناہوں سے بچتے رہنے کا خوب صورت ہتھیار ہے۔ قرآن مقدس میں بے شمار مقامات پر اس کی باقاعدہ تعلیم دی گئی ہے اور انسانی زندگی میں اس کے خوب صورت مظاہر دیکھنے کو ملتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ.

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان۔ (سورۂ آل عمران ۳۔ آیت:۱۰۲)

دوسری آیت میں ارشاد ہوا:

فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ .

تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے۔

(سورۂ تغابن ٦٤۔ آیت: ١٦)

ان دونوں آیات میں خوف الٰہی یعنی اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا اور دوسرے مقامات پر اس کے فوائد بھی بیان کر دیے گئے کہ ایسا کرنے سے فائدہ کیا ہے؟

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

تو اللہ سے ڈرتے رہو اے عقل والو کہ تم فلاح پاؤ۔

(سورۂ مائدہ ٥۔ آیت: ١٠٠)

وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّه مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا.

اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے کام میں آسانی فرما دے گا۔

(سورۂ طلاق ٦٥۔ آیت: ٤)

وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.

اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو۔

(سورۂ طلاق ٦٥۔ آیت: ٢،٣)

ان آیات کریمہ میں خوف الٰہی کے فوائد کا تذکرہ کیا گیا ہے، ارشاد فرماتا ہے کہ اے اللہ کے بندو! اللہ عزوجل سے ڈرو اس میں تمہاری فلاح و کامرانی ہے، جو اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے کام آسان بنا دے گا، اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو۔

خوف الٰہی جس انسان کے دل میں گھر کر جاتا ہے وہ انسان نفس کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے اب نفسانی خواہشات اس کے قابو میں رہتی ہے، وہ انسان بہک نہیں سکتا، نفس اسے برائی پر آمادہ نہیں کر سکتا، اس کے ذہن و دل میں بُرے خیالات نہیں آسکتے، خوف و اضطراب اس کے

پاس پھٹک نہیں سکتے، بے چینی اور بے قراری کا اس کے پاس سے گزر نہیں ہوسکتا، گویا کہ خوف الٰہی کا لازمی حکم دے کر مذہب اسلام نے انسانوں کے دلوں میں جرائم اور معاصی کی نفرت ڈال دی اور نیک کام کرنے کا حکم دیا۔

حقوق کی ادائیگی:

جرائم دو طرح کے ہیں، کچھ میں صرف خدا کا حق پامال ہوتا ہے اور کچھ میں بندوں کے حقوق بھی پامال ہوتے ہیں، انسان حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی کا پابند ہے۔

ایک انسان پر سب سے پہلا حق اللہ کا یہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اللہ عزوجل کو خالق حقیقی اور خدائے وحدہ لاشریک مانے، اس کو معبود برحق تسلیم کرے اور اس کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہرائے پھر اس کے بعد نماز، روزہ اور دیگر حقوق ترتیب وار اس پر لازم ہوتے ہیں، سب سے بڑا جرم اور سب سے بڑا گناہ شرک اور کفر ہے۔ قرآن مقدس میں ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ . بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔

(سورۂ لقمان ۳۱۔ آیت: ۱۳)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰہُ النَّارُ.

بے شک جو اللہ کا شریک ٹھہرائے تو اللہ نے اس پر جنت حرام کردی اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ (سورۂ مائدہ ۵۔ آیت: ۷۲)

اس لیے جو شخص اللہ عزوجل وحدہ لاشریک کے ساتھ شریک ٹھہرائے پھر حالت شرک میں مر جائے وہ قطعی اور یقینی طور پر جہنمی ہے۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا .

بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے اور جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا اُس نے

بڑے گناہ کا طوفان باندھا۔ (سورۂ نساء۴۔آیت:۴۸)

ارتداد جرم ہے:

کفر کی سب سے بدترین صورت ارتداد ہے، یہ کفر اصلی سے بھی باعتبار احکام سخت تر ہے۔ مرتد وہ شخص ہے کہ کلمہ گو ہو کر کفر کرے، خواہ یوں کہ پہلے مسلمان تھا، پھر علانیہ اسلام سے پھر گیا اور کلمۂ اسلام کا منکر ہو گیا یا یوں کہ کلمہ تو اب بھی پڑھتا ہے مگر ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرتا ہے، یا ایسے اعمال کرتا ہے جو قطعاً ایمان کے منافی ہوں مثلاً بت کو سجدہ کرنا یا قرآن شریف کو نجاست کی جگہ پھینک دینا وغیرہ۔

انبیا اور مرسلین میں سے کسی کی توہین کرنا بھی ارتداد ہے، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَلَـئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ قُلۡ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوۡلِهٖ كُنۡتُمۡ تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ .لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ.

اور اے محبوب! اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے، تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو، بہانے نہ بناؤ، تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔ (سورۂ توبہ۹۔آیت:٦٥۔٦٦)

مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے سے مسلمان مسلمان نہیں رہ جاتا، یہ گستاخی اور بے ہودہ گوئی جس طرح بھی ہو اس میں عذر قبول نہیں، اور دوسری جگہ اللہ عزوجل نے پوری صراحت کے ساتھ ارتداد کا حکم بھی بیان کر دیا، ارشاد ربانی ہے:

وَمَنۡ يَّرۡتَدِدۡ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِيۡنِهٖ فَيَمُتۡ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ .

اور تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے پھر کافر ہو کر مرے تو ان لوگوں کا کیا (عمل) اکارت گیا دنیا میں اور آخرت میں اور وہ دوزخ والے ہیں، انہیں

اس میں ہمیشہ رہنا۔ (سورۂ بقرہ ۲۔آیت:۲۱۷)

مفسر قرآن علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ تفسیر روح البیان وغیرہ کے حوالے سے ارقام فرماتے ہیں:

''اس آیت سے معلوم ہوا کہ ارتداد سے تمام عمل باطل ہوجاتے ہیں، آخرت میں تو اس طرح کہ ان پر کوئی اجر وثواب نہیں اور دنیا میں اس طرح کہ شریعت مرتد کے قتل کا حکم دیتی ہے، اس کی عورت اس پر حلال نہیں رہتی، وہ اپنے اقارب کا ورثہ پانے کا مستحق نہیں رہتا، اس کا مال معصوم نہیں رہتا، اس کی مدح وثناوامداد جائز نہیں''۔(خزائن العرفان، تحت ہذہ الاٰیۃ، ص:۶۱)

اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سات ہلاکت خیز کاموں سے بچو، اور ان میں شرک کا بھی ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا:

''جو شخص اپنا دین بدل لے، اس کو قتل کردو۔'' (معجم کبیر طبرانی، ص:۳۳۳، ج:۱۰)

مرتد اگر اپنے کفر سے توبہ کرلے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے قتل کردیا جائے، مرتد کو قید کرنا اور اسلام قبول نہ کرنے پر قتل کرڈالنا بادشاہ اسلام کا کام ہے یعنی اگر اسلامی حکومت ہو تو ایسے باغی اور بدعہد کی گردن ماردی جائے گی۔

قارئین! ذرا غور فرمائیں کہ مرتد کو قتل کرنے کا حکم کیوں دیا جارہا ہے تو حاصل یہی نکلے گا کہ اگر یہ شخص زندہ رہا اور اس سے بازپرس نہ کی گئی تو ملک میں طرح طرح کے فتنے برپا ہوں گے، فتنوں کا ایک سلسلہ چل نکلے گا اور امن وامان غارت ہوجائے گا لہٰذا انسداد فتنہ کی غرض سے اس کو ہی ختم کردیا جائے تاکہ اس کے زندہ رہنے سے ہونے والے جرائم ومظالم کی جڑ ہی کٹ جائے۔

لیکن اس وقت چوں کہ اسلامی حکومت باقی نہیں تو حکم ہے کہ اس کا سماجی بائیکاٹ کردیا جائے۔

حقوق العباد کی تفصیل:

مذہب اسلام نے نہ صرف اللہ عزوجل کے حقوق کی تفصیل پیش کی اور ان کی ادائیگی کا حکم بلیغ سنایا اور ان کی ادائیگی میں کوتاہی برتنے والوں کو سخت وعیدیں سنائیں اور عذاب دنیا وآخرت کا

خوف دلایا، بلکہ بندوں کے بھی جملہ حقوق پورے شرح وبسط کے ساتھ بیان کردیے اور تمام انسانوں کو ان کا پابند رہنے کا حکم دیا، اس طرح انسان حقوق اللہ وحقوق العباد دونوں کی ادائیگی کا پابند ٹھہرایا گیا، حقوق اللہ چوں کہ مشہور ومعروف ہیں اس لیے ہم نے ان پر اجمالی بیان پیش کیا۔ اب ذیل کی بحث میں بندوں کے حقوق کا تفصیلی بیان اس لیے پیش کر رہے ہیں کہ ان کی ادائیگی میں کوتاہی اور ان کی پامالی بے شمار جرائم کا پیش خیمہ ہے اور ان گنت فتنے جنم لے سکتے ہیں اور یہ کہ ان کے احکام بھی حقوق اللہ سے علاحدہ ہیں۔

سب سے پہلے ہم یہ جان لیں کہ حق العبد ہے کیا چیز؟ اس سلسلے میں مجدد اعظم، فقیہ اسلام امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کے رسالہ ''**اعجب الامداد فی مکفرات حقوق العباد**'' (۱۳۱۰ھ) سے ایک طویل اقتباس نقل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جو حقوق العباد کے جملہ اقسام کو قدرے تفصیل سے بیان کرتا ہے، ارقام فرماتے ہیں:

> ''حق العبد ہر وہ مطالبۂ مالی ہے کہ شرعاً اس کے ذمہ کسی کے لیے ثابت ہو اور ہر وہ نقصان وآزار جو بے اجازت شرعیہ کسی قول، فعل، ترک سے کسی کے دین، آبرو، جان، جسم، مال یا صرف قلب کو پہنچایا جائے، تو یہ دو قسمیں ہوئیں۔ اول کو دیون، ثانی کو مظالم، اور دونوں کو تبعات اور کبھی دیون بھی کہتے ہیں۔ ان دونوں قسم میں عموم خصوص من وجہ ہے۔ یعنی کہیں تو دَین پایا جاتا ہے مظلمہ نہیں، جیسے خریدی چیز کی قیمت، مزدور کی اجرت، عورت کا مہر وغیرہا دیون کہ عقود جائزہ شرعیہ سے اس کے ذمہ لازم ہوئے، اور اس نے ان کی ادا میں کمی وتاخیر نا روا نہ برتی، یہ حق العبد اس کی گردن پر ہے مگر کوئی ظلم نہیں۔ اور کہیں مظلمہ پایا جاتا ہے، دَین نہیں جیسے کسی کو مارا، گالی دی، بُرا کہا، غیبت کی کہ اس کی خبر اسے پہنچی، یہ سب حقوق العبد وظلم ہیں مگر کوئی دَین واجب الادا نہیں۔
>
> اور کہیں دَین اور مظلمہ دونوں ہوتے ہیں جیسے کسی کا مال چرایا، چھینا، لوٹا، رشوت، سود، جوئے میں لیا، یہ سب دیون بھی ہیں اور ظلم بھی۔

قسم اول میں تمام صور عقود و مطالبۂ مالیہ داخل، دوسری میں قول و فعل و ترک کو دین، آبرو، جان، جسم، مال، قلب میں ضرب دینے سے اٹھارہ انواع حاصل، ہر نوع صد صورتوں کو شامل، تو کیوں کر گنا سکتے ہیں کہ حقوق العباد کس قدر ہیں، ہاں ان کا ضابطۂ کلیہ بتادیا گیا کہ ان دو قسموں سے جو امر جہاں پایا جائے اسے حق العبد جانے۔" (فتاویٰ رضویہ مترجم، ص: ۴۵۹، ۴۶۰، ج: ۲۴، مطبوعہ گجرات)

ان تفصیلات سے عیاں ہوگیا کہ خریدی ہوئی چیز کی قیمت ادا نہ کرنا، مزدور کی اجرت نہ دینا، عورت کا مہر نہ دینا، کسی کو گالی دینا، بُرا کہنا، غیبت کرنا، کسی کا مال چوری کرنا، لوٹ لینا، رشوت دینا، سود میں روپیہ لینا اور جوئے میں مال اکٹھا کرنا یا کسی کی آبرو پر ہاتھ ڈالنا، کسی کی جان لے لینا، کسی کے جسم کو تکلیف پہنچانا، کسی کے دل کو ایذا دینا یہ سب حقوق العباد کو پامال کرنا ہے، اسلام جس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کی معافی کی صورتیں:

بنیادی طور پر گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) گناہ صغیرہ (۲) گناہ کبیرہ۔

پھر گناہ کبیرہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ گناہ جو حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۲) وہ گناہ جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں۔

گناہ صغیرہ نماز، روزہ، حج وغیرہ احکام کی ادائیگی سے معاف ہوجاتے ہیں اور یہ عبادات ان گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتی ہیں۔

کبیرہ گناہ اگر حقوق اللہ سے تعلق رکھتا ہو تو توبہ کرنے سے معاف ہوجاتا ہے اور اگر اس کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو اس کے لیے اس حق کی ادائیگی یا صاحب حق سے معاف کروانا ضروری ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

وَمَنۡ يَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ اور گناہ کون بخشے سوا اللہ کے۔

(سورۂ آل عمران۳۔آیت:۱۳۵)

حدیث پاک میں ہے حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:(ترجمہ)

''دفتر تین ہیں، ایک دفتر میں اللہ تعالیٰ کچھ نہ بخشے گا اور ایک دفتر کی اللہ تعالیٰ کو کچھ پروا نہیں اور ایک دفتر میں سے اللہ تعالیٰ کچھ نہ چھوڑے گا، وہ دفتر جس میں اصلاً معافی کی جگہ نہیں وہ تو کفر ہے کہ کسی طرح نہ بخشا جائے گا اور وہ دفتر جس کی اللہ عزوجل کو کچھ پروا نہیں، وہ بندے کا گناہ ہے خالص اپنے اور رب کے معاملے میں کہ کسی دن کا روزہ ترک کیا یا کوئی نماز چھوڑ دی اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے معاف کردے اور درگزر فرمائے اور وہ دفتر جس میں سے اللہ تعالیٰ کچھ نہ چھوڑے گا وہ بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم ہے کہ اس میں ضرور بدلہ ہونا ہے۔'' (مسند احمد بن حنبل، ص:۲۴۲، ج:۷، بیروت)

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ بندوں کے حقوق پامال کرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی نہیں ہوگی جب تک وہ شخص معاف نہ کردے جس کا حق اس کے ذمے ہے۔

امام احمد رضا قادری قدس سرہ حقوق اللہ اور حقوق العباد معاف ہونے کی صورتوں کو بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

''حقوق اللہ معاف ہونے کی دو صورتیں ہیں، اول توبہ، قال اللہ تعالیٰ: وَ هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ،

دوم: عفو الٰہی۔ قال اللہ تعالیٰ: فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَاءُ. وقال تعالیٰ: اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّه هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ.

اور حقوق العباد معاف ہونے کی بھی دو صورتیں ہیں:

(۱) جو قابل ادا ہے ادا کرنا، ورنہ اس سے معافی چاہنا، صحیح بخاری شریف میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من کانت له مظلمة لاخيه من عرضه أو شئى فليتحلله منه اليوم قبل ان لايكون دينار ولادرهم ان كان له عمل صالح اخذ منه بقدر مظلمة وان لم يكن له حسنات اخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه. یعنی جس کے ذمہ اپنے بھائی کا آبرو وغیرہ کسی بات کا مظلمہ ہو اسے لازم ہے کہ یہیں اس سے معافی چاہ لے، قبل اس وقت کے آنے کے کہ وہاں نہ روپیہ ہوگا نہ اشرفی، اگر اس کے پاس کچھ نیکیاں ہوں گی تو بقدر اس کے حق اس سے لے کر اسے دی جائیں گی ورنہ اس کے گناہ اس پر رکھے جائیں گے۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ صاحب حق بلا معاوضہ لیے معاف کر دے، قَالَ تَعَالیٰ: فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا (تم دوسروں کو معاف کر دو اور ان سے درگزر کرو) وَقَالَ تَعَالیٰ: أَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ (کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے)''

(فتاویٰ رضویہ، مترجم، ص:۳۷۳، ۳۷۴، ج:۲۴، گجرات)

ان تفصیلات سے عیاں ہوگیا کہ تمام حقوق العباد ایسے ہی ہیں کہ جب تک صاحب حق معاف نہ کرے معافی نہ ہوگی۔ اسی لیے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

''الغيبة اشد من الزنا'' غیبت زنا سے سخت تر ہے، کسی نے عرض کی: یہ کیوں کر؟ فرمایا: الرجل يزني ثم يتوب فيتوب الله عليه وان صاحب الغيبة لايغفرله حتیٰ يغفر له صاحبه. یعنی زانی توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ قبول فرما لے اور غیبت والے کی مغفرت نہ ہوگی جب تک وہ نہ بخشے جس کی غیبت کی ہے۔

(معجم اوسط، طبرانی، ص:۳۰۶، ج:۷، ریاض)

خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ ایک انسان کو جب اس بات کی فکر ہوگی کہ اگر وہ دوسرے کا حق مار بیٹھے گا، یا دوسرے کو گالی دے گا یا اس کا سامان چوری کر لے گا تو آخرت میں روز حساب اس کی

نیکیاں چھین لی جائیں گی یا اس کے اوپر صاحب معاملہ کے گناہ ڈال دیے جائیں تو ایسی حالت میں وہ اس جیسے اقدام سے قطعی طور پر باز آجائے گا اور حقوق العباد کی پامالی سے اپنے آپ کو محفوظ کر لے گا تو حقوق ادا نہ کرنے کی صورت میں جو فتنے اور ہنگامہ خیز حالات وقوع پذیر ہونے کا خطرہ ہوگا وہ ختم ہو جائے گا اور پھر ان کے ذریعہ سے دوسرے جرائم اور گناہ کا انسداد ہو جائے گا اور مذہب اسلام تو یہی چاہتا ہے کہ ہر انسان کو اس کا حق ملے، تا کہ جرائم کے دلدل میں خود کو نہ گرائے کہ امن وامان میں خلل واقع ہو اور دنیا کا سکون غارت ہو جائے۔ اس لیے اسلام اور شریعت اسلامیہ نے یہ لازم قرار دیا ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کامل طور پر ادا کیے جائیں اور اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والے کے لیے دنیا وآخرت میں خسارہ اور بے عزتی ہے اور ایسا انسان عذاب وعتاب کا مستحق گردانا جائے گا۔

اسلام نے جس شرح وبسط کے ساتھ حقوق العباد کی تفصیل بیان کی ہے کسی دین نے نہ بیان کی، صرف یہی نہیں بلکہ ان حقوق کی وضاحت کے ساتھ ان کے احکام واثرات بھی بیان کر دیے کہ دنیا وآخرت میں ان حقوق کی ادائیگی میں تساہلی سے کام لینے والا کن مشکلات وآفات میں گھر جاتا ہے اور پھر اس کے بعد اور کون کون سے جرائم کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، اس طرح نہ صرف اس جرم کا سد باب ہوگا، بلکہ وہ جرم جن دیگر جرائم کا داعیہ اور سبب بن رہا ہوگا ان تمام جرائم کا انسداد ہو جائے گا۔

ماں باپ کے حقوق، اولاد کے حقوق، زن وشوہر کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، استادوں اور پیروں کے حقوق، مہمانوں کے حقوق، سائلوں کے حقوق، عام مسلمانوں کے حقوق سے متعلق اسلام کا کوئی نہ کوئی حکم، کوئی نہ کوئی قانون ہم کو مل جائے گا۔

حقوق انسانی کا تحفظ:

بعض حقوق ایسے بھی ہیں جو ہر انسان کے ہر انسان پر ہیں، جو کافر، مسلمان، نیکوکار، بدکار سب کو عام ہیں، رنگ ونسل، ذات پات، ملک وشہر کی کوئی تفریق نہیں، ایسے حقوق کو انسانی حقوق کہا جاتا ہے، جرم کرنے کے بعد انسان مقام انسانیت سے گر جاتا ہے، جو حقوق انسانی کے تحفظ

کے خلاف بھی ہے، اس لیے حقوق انسانی کی پاسداری کے لیے حدود کا اجرا اور جرائم کا سد باب ضروری ہے۔

دنیا کے بے شمار ملکوں نے انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے بہت سارے قوانین بنائے، ادارے قائم ہوئے جو انسانی حقوق اور آزادی کے بقا کے لیے اب بھی کوشاں ہیں، اس وقت عالمی سطح پر دو نامور ادارے اپنی ذمہ داری نبھا رہے ہیں، ایک انسانی حقوق کمیشن (Human right organisation) اور دوسرا ادارہ اقوام متحدہ (United nations organisation U.N.O.) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ دونوں ادارے اپنی دفعات کی روشنی میں پوری طرح امن وامان کی بحالی اور انسانی حقوق کے تحفظ میں سرگرم عمل ہیں، لیکن اگر آپ بین الاقوامی حالات پر نظر دوڑائیں تو نتیجہ یہ نکالیں گے کہ اس وقت نہ تو انسانی آزادی خطرے سے باہر ملے گی اور نہ ہی امن وامان نظر آئے گا۔ آخر کیا وجہ ہے کہ یہ ادارے اپنی کوشش میں ناکام ہیں؟ اس سوال کا جواب معزز قارئین پر چھوڑتا ہوں۔

مذہب اسلام کہتا ہے کہ ہر انسان کو دنیا میں جینے کا حق ہے، ذات پات، رنگ ونسل کی کوئی تفریق نہیں، کسی کو ناحق قتل نہیں کیا جاسکتا، کسی جان کو ناحق مارنا پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا.

جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے، تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو جِلا لیا اس نے گویا سب لوگوں کو جِلا یا۔ (سورۂ مائدہ ۵۔ آیت: ۳۲)

''حیات انسانی کی بقا کے لیے کاوش'' اس عنوان سے اسلام بلا تفریق بحث کرتا ہے، اس ضمن میں فلسفۂ زکوٰۃ، زخمیوں کی فوری امداد، مظلوم کی دادرسی اور حکمتِ قصاص کو پیش کیا جاسکتا

ہے، اوپر والی آیت کا دوسرا جز اس کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ ایک جان کو زندگی کے اسباب مہیا کر دینا تمام انسانیت کو زندگی عطا کر دینا ہے۔

عورتوں کے حقوق کی پاسداری، انسان کی بنیادی ضروریات کا خیال اور تمام انسانوں میں مساوات و برابری کا تصور اسلام نے دیا، قانون کے سامنے ہر ایک برابر ہے، کوئی ثروت والا باثر شخص جرم کر کے حدود کے اجرا سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا، کسی قاتل کو مالدار ہونے کی وجہ سے چھوڑ نہیں دیا جائے گا، چوری کی حد کا نفاذ ہر ایک پر یکساں طور پر ہوگا، زنا اور تہمت کی حد برابر لگے گی۔ اسلام کی یہ وہ آفاقی اور بلند تعلیمات ہیں جن سے حقوق انسانی کے آبشار پھوٹتے نظر آتے ہیں اور انسانی قدروں کو کامل تحفظ ملتا ہے۔

معلوم ہوا کہ حقوق انسانی کی کامل ادائیگی جرائم کے سد باب میں موثر کردار ادا کر سکتی ہے، دنیا میں جرائم کم ہوں گے، امن و امان بحال ہو جائے گا، انسانی جانوں کو تحفظ ملے گا، اسلام نے صرف قصاص کا حکم ہی نہیں سنایا، بلکہ نفس انسانی کا احترام کرنا لازمی قرار دے کر روحانی طور پر تمام انسانوں کے خون کو حفظ و امان دے دی۔ اوپر عالمی اداروں کی ناکامی سے متعلق قارئین سے کیے گئے سوال کا جواب اسی نکتے میں پوشیدہ ہے۔ ویسے ''اسلام اور حقوق انسانی'' کے عنوان سے ہم نے ایک علاحدہ مقالہ لکھا ہے جس میں تفصیل درج ہے۔

جرائم کا سد باب اور جہاد:

جہاد ایک اسلامی فریضہ ہے، اسلامی جہاد اور دہشت گردی میں زمین و آسمان کا فرق ہے، ظلم جہاد کے حقیقی مفہوم کے بالکل برعکس ہے، اسلام کا نظریۂ جہاد تو قیام امن ہے، اور دہشت گردی امن و سکون کو غارت کر دیتی ہے، اسلامی جہاد مار، کاٹ، خون خرابہ اور جانوں کے اتلاف کا نام نہیں ہے، بلکہ اسلامی جہاد ظالم سے مظلوم کا حق دلانے کی عمدہ کوشش کا نام ہے، انسانی جانوں کو اتلاف سے بچانے کے لیے جدوجہد کرنا یہ جہاد ہے، دہشت گردی میں ملوث افراد کے ہاتھوں کو روک دینے کا نام جہاد ہے، ذرا اسلام کی تاریخ جہاد اٹھا کر دیکھیں اور قرآنی آیات سے مفہوم جہاد نکال کر غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ جب ظالم بادشاہوں کے ظلم کی چکیوں میں رعایا اور

عام انسان بےبس و لاچار ہو چکا تھا اور مظلوموں کی داد رسی کرنے والا کوئی نہ تھا ایسے عالم میں اسلام نے فلسفہ جہاد کو پیش کیا کہ مسلمانو! ظالموں کو ان کا انجام دکھاؤ، مظلوموں کی مدد کرو، مجرموں کو سزا دو، لاچاروں کی دستگیری کرو، فسادیوں پر لگام کسو۔

جد و جہد کرنا، کوشش کرنا تو جہاد کا معنی ہی ہے، قاتل کو قتل کر دینا اگر دہشت گردی ہے تو دنیا کے بے شمار ملکوں نے اپنے قانون میں سزائے موت کو باقی کیوں رکھا ہے، گولا بارود، بندوق اور خطرناک ہتھیار کیوں محفوظ رکھے ہوئے ہیں، قاتل کو کھلے عام گھومنے دیا جائے اور پھر انسانی جان کے تحفظ کا تماشہ دیکھا جائے، ظالم کو اس کے ظلم کے برابر جب تک سزا نہیں دی جائے گی نہ تو دنیا سے ظلم کا خاتمہ ہوگا اور نہ ہی امن و امان بحال ہوگا، جرائم میں ہوش ربا اضافہ ہوگا، احترام انسانیت باقی نہ رہے گا، اس لیے جرائم کے سد باب کے لیے اسلامی جہاد کی کاوشوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن میں اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ۔اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، معلوم ہوا کہ انسداد فتنہ کے لیے جنگ کرنا یہ صرف ایک جنگ نہیں، بلکہ امن کی بحالی کی کوشش ہے۔

حرام اشیا کی ممانعت:

شریعت اسلامیہ نے جن اشیا کا کھانا حرام قرار دیا جیسے سور، مردار، خون، شراب، وغیرہ ان اشیا میں غلاظت و ناپاکی و پلیدی کے اجزاے ترکیبی کی شمولیت ذہن و فکر پر منفی اثر ڈالتی ہے اور دماغ پر پردے پڑ جاتے ہیں، انسانی ضمیر مردہ ہو جاتا ہے اور اس سے جرائم کی طرف انسانی قدم تیزی سے بڑھتا نظر آتا ہے، شریعت نے اس جہت سے بھی جرائم کے روک تھام کی کوشش کی ہے، ان اشیا میں سائنسی تحقیقات اور طبی تجربات سے ہماری بات کی صداقت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

خلاصۂ کلام:

ناجائز طریقے پر مال حاصل کرنا، کھانا، یا ناجائز اور حرام چیزوں کا استعمال میں لانا یہ ایسے اعمال ہیں جن کا اثر براہ راست باطن پر پڑتا ہے اور فکر متاثر ہوتی ہے، کسی کی ٹوہ میں نہ پڑو، جھوٹ مت بولو، چغلی نہ کھاؤ، بدظن نہ ہو، ٹی وی سیریلوں، فلموں، ڈراموں سے بچو، بداخلاقی

والے کام نہ کرو، خودکشی نہ کرو، سود نہ کھاؤ، رشوت نہ لو، نہ دو، دھوکہ نہ دو، ناپ تول میں کمی نہ کرو وغیرہ بے شمار احکام میں جرائم کے ایسے گھناؤنے اور مہلک جراثیم موجود ہیں جن پر اسلام نے پابندی لگا دی ہے، یہ سب کام خود بھی جرم کی فہرست میں شامل ہیں اور دوسرے جرائم کے ارتکاب کا سبب بھی بنتے ہیں اسلام نے ان کا بھی خاتمہ کیا اور ان کے دواعی کی جڑ بھی کاٹ دی۔

اسلام دنیا میں اسی لیے آیا ہے کہ ہر انسان کو اس کا حق ملے، حق پامال نہ ہونے پائے، دنیا میں امن قائم رہے، جرائم بڑھنے نہ پائیں اور ان کا پوری طرح سد باب ہو۔ اسلام زندہ باد، پائندہ باد۔

(۱۷؍جنوری ۲۰۱۰ء/۲؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ۔شب دوشنبہ)

کتابیات

کتب	مصنفین ومولفین	سنِ وفات
(۱) القرآن الحکیم	کلام الرحمٰن ، وحیِ الٰہی	....
(۲) کنزالایمان	امام احمد رضا قادری قدس سرہ	۱۳۴۰ھ
(۳) تفسیر کبیر	امام محمد فخر الدین رازی قدس سرہ	۶۰۶ھ
(۴) تفسیر بیضاوی	ابوسعید عبداللہ بن عمر بیضاوی قدس سرہ	۶۸۵ھ
(۵) تفسیر ابن کثیر	علامہ اسماعیل بن عمر بن کثیر قدس سرہ	۷۷۴ھ
(۶) تفسیر روح البیان	علامہ شیخ محمد اسماعیل حقی قدس سرہ	۱۱۲۷ھ
(۷) تفسیرات احمدیہ	شیخ ملا احمد جیون لکھنوی قدس سرہ	۱۱۳۰ھ
(۸) تفسیر خزائن العرفان	علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ	۱۳۶۷ھ
(۹) صحیح بخاری	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری قدس سرہ	۲۵۶ھ
(۱۰) صحیح مسلم	ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری قدس سرہ	۲۶۱ھ
(۱۱) سنن ابوداؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی قدس سرہ	۲۷۵ھ
(۱۲) سنن ترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی قدس سرہ	۲۷۹ھ
(۱۳) سنن ابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی قدس سرہ	۲۷۳ھ
(۱۴) سنن کبریٰ ، بیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بیہقی قدس سرہ	۴۵۸ھ
(۱۵) مسند احمد بن حنبل	شیخ امام احمد بن حنبل قدس سرہ	۲۴۱ھ
(۱۶) معجم کبیر ، طبرانی	ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی قدس سرہ	۳۶۰ھ
(۱۷) معجم اوسط ، طبرانی	ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی قدس سرہ	۳۶۰ھ

کتاب	مصنف	وفات
(۱۸) مشکوٰۃ المصابیح	شیخ محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی قدس سرہ	۷۴۰ھ
(۱۹) الدرایہ فی الھدایہ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد عسقلانی قدس سرہ	۸۵۲ھ
(۲۰) مرأۃ المناجیح	مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی قدس سرہ	۱۳۹۱ھ
(۲۱) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ	ملا علی بن سلطان محمد قاری قدس سرہ	۱۰۱۴ھ
(۲۲) المستصفیٰ	حجۃ الاسلام ابوحامد محمد بن محمد غزالی قدس سرہ	۵۰۵ھ
(۲۳) ہدایہ آخرین	برہان الدین ابوالحسن علی مرغینانی قدس سرہ	۵۹۳ھ
(۲۴) الموافقات	شیخ ابراہیم بن موسیٰ غرناقی مالکی قدس سرہ	۷۹۰ھ
(۲۵) الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین ابن نُجیم حنفی مصری قدس سرہ	۹۷۰ھ
(۲۶) درمختار	شیخ علاؤالدین محمد بن علی حصکفی قدس سرہ	۱۰۸۸ھ
(۲۷) ردالمحتار، شامی	علامہ سیدی محمد بن عابدین شامی قدس سرہ	۱۲۵۲ھ
(۲۸) تبیین الحقائق	امام فخر الدین ابومحمد عثمان بن علی زیلعی قدس سرہ	۷۴۳ھ
(۲۹) فتاویٰ عالم گیری	شیخ جلیل نظام الدین ودیگر علمائے احناف	....
(۳۰) بحرالرائق	شیخ زین الدین ابن نُجیم حنفی مصری قدس سرہ	۹۷۰ھ
(۳۱) فتاویٰ رضویہ، مترجم	امام احمد رضا قادری قدس سرہ	۱۳۴۰ھ
(۳۲) الفقہ علی المذاہب الاربعہ	شیخ علامہ عبدالرحمٰن جزیری	۱۳۶۰ھ
(۳۳) المرشد الامین	حجۃ الاسلام ابوحامد محمد بن محمد غزالی قدس سرہ	۵۰۵ھ
(۳۴) بہار شریعت	صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی قدس سرہ	۱۳۶۷ھ
(۳۵) نورانی حکایات	علامہ محمد منشا تابش قصوری دام ظلہ	باحیات

توفیق احسنؔ برکاتی......................ایک نظر میں

نام: محمد توفیق ابن محمد اسماعیل ابن غلام مصطفیٰ مرحوم،

قلمی نام: توفیق احسنؔ برکاتی،

پیدائش: ۱۲؍جولائی ۱۹۸۴ء بروز پنج شنبہ

جائے پیدائش: بھنگواں، لکھنی پٹی، اعلیٰ پور، اعظم گڑھ (موجودہ ضلع امبیڈکر نگر) اتر پردیش، انڈیا

ابتدائی تعلیم: مدرسہ حنفیہ انوار العلوم، (بھنگواں)........(۱۹۹۰ء تا ۱۹۹۵ء)

متوسطات: جامعہ عربیہ اظہار العلوم، نیا بازار، جہانگیر گنج، امبیڈکر نگر.........(۱۹۹۶ء تا ۲۰۰۰ء)

اعلیٰ تعلیم: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ........(۲۰۰۱ء تا ۲۰۰۶ء)

تعلیمی لیاقت: منشی، مولوی، کامل، عالم، فاضل معقولات وفاضل طب، عربی وفارسی بورڈ لکھنؤ (۱۹۹۷ء تا ۲۰۰۶ء)

عالمیت وفضیلت درس نظامی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور (۲۰۰۱ء تا ۲۰۰۴ء)

عربی ڈپلوما قومی کونسل آف فروغ اردو زبان، دہلی (۲۰۰۳ تا ۲۰۰۴)

تحقیق فی الفقہ الحنفی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، (۲۰۰۵ء تا ۲۰۰۶ء)

ٹیچر ٹریننگ کورس، ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی، نئی دہلی (۲۰۰۸ء)

مشغلہ: درس وتدریس، مطالعہ ومذاکرہ، تصنیف وتالیف، امامت وخطابت، شاعری (۲۰۰۷ء سے تاحال)

قلمی خدمات: (۱) خانوادۂ رضویہ کی شعری وادبی خدمات (مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی، ۲۰۰۷ء)

(۲) درود وسلام کی شرعی حیثیت وفضیلت (مطبوعہ ممبئی، ۲۰۰۷ء)

(۳) سخن کی معراج، نعتیہ مجموعہ (مطبوعہ ممبئی، ۲۰۰۸ء)

(۴) فکر رضا کے جلوے (مطبوعہ رضا اسلامک فاؤنڈیشن، نئی ممبئی، ۲۰۰۹ء)

(۵) امام احمد رضا اور مدینہ منورہ (مطبوعہ مکتبۂ طیبہ، ممبئی، ۲۰۰۹ء)

(۶) ماں کے آنچل پہ شبنم ٹپکتی رہی (مطبوعہ رضا اسلامک فاؤنڈیشن، نئی ممبئی، ۲۰۱۰ء)
(۷) خطبات سید العلماء (مطبوعہ بزم برکات آل مصطفیٰ، ممبئی، ۲۰۱۳ء)
(۸) تہتر میں ایک کون؟ (ترتیب) (مطبوعہ مکتبہ طیبہ، ممبئی)
(۹) جرائم کا سد باب اور اسلام (مطبوعہ مکتبہ طیبہ، ممبئی، ۲۰۱۳ء)

غیر مطبوعہ کتابیں: (۱) قلم میرا امانت ہے (دوسرا نعتیہ مجموعہ) (۲) امام اعظم کے وصایا کا تجزیاتی مطالعہ (۳) ممبئی عظمیٰ کی سنی تاریخ۔

ان کے علاوہ مختلف موضوعات پر پچاس سے زائد مضامین ومقالات، کتابوں پر تبصرے، مقدمے، پیش لفظ وغیرہا

ذمے داریاں: (۱) جامعہ غوثیہ نجم العلوم، ۱۳۲/کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی ۳ (درس نظامی کی تدریس)
(۲) مسجد گلشن مدینہ، ۴۸۵، شیواجی نگر، ایم آئی ڈی سی روڈ، نیرول، نئی ممبئی ۷۰۶ (امامت وخطابت)
(۳) ماہ نامہ ''سنی دعوت اسلامی، ممبئی'' کی ادارت (جنوری ۲۰۱۱ء سے تا حال)

بیعت وارادت: شہزادۂ حضور احسن العلماء ڈاکٹر سید محمد امین میاں برکاتی مارہروی سے شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کے پہلے عرس کے موقع پر رفیق گرامی مولانا ظفر الدین برکاتی کے ہمراہ بیعت کا شرف حاصل کیا۔

نکاح: ۱۵/ مارچ ۲۰۰۹ء بروز اتوار رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ زوجہ ام حبیبہ اور بیٹی زاہدہ قدسی، گھر جنت ہیں۔

Contact:

Taufiq Ahsan Barkati: Masjid Gulshane Madina 485 Shiwaji Nagar
M.I.D.C. Road Nerul Navi Mumbai.400706
WWW.TAUFIQAHSAN.WORDPRESS.COM
E-Mail:taufiqahsan92@gmail.com
Mob:09819433765

☆☆☆